بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

جلد نمبر ۸۰ | ماہ نومبر ۲۰۱۲ء مطابق ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ | شمارہ نمبر ۱۱

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی
E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	یحییٰ نعمانی / مدیر	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۱۳
۳	ازدواجی زندگی ------	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۱۹
۴	دینی مدارس کا نصاب تعلیم	مولانا احمد عبدالمجیب قاسمی ندوی	۳۶
۵	ملفوظات حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ	مفتی محمد زید مظاہری / محمد انوار خلیل	۵۱

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

درج ذیل مقامات میں الفرقان کی توسیع اشاعت کی ذمہ داری جن حضرات نے قبول کی ہے ان کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں۔ ان مقامات اور قرب وجوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱- بیڑ (مہاراشٹر)	قاسمی بکڈپو	(0)9960070028
۲- مالیگاؤں	مولانا حسنین محفوظ	(0)9226876589
۳- بیلگام	مولانا تنویر صاحب	(0)9880482120
۴- بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	(0)9898610513

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_saljadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان — عمومی 180 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان — خصوصی خریداران 400 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان (وی پی سادہ) — 210 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے پاکستان، پاکستان میں -/1200 ہندوستان میں -/750 روپے
☆ بیرونی ممالک بذریعہ ہوائی جہاز — -/20 پاؤنڈ -/40 ڈالر خصوصی خریداران -/30£

لائف ممبر شپ فیس: ہندوستان -/5000 روپے، بیرونی ممالک 500 پاؤنڈ 1000 ڈالر

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ: Mr. RAZIUR RAHMAN 90-B HANLEY ROAD, LONDON N4 3DW (U.K) ,Fax & Phone : 020 72721362

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ادارہ اصلاح وتبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور۔ (فون: 7663896 - 7655012)

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ الفرقان 114/31 نظیر آباد، لکھنؤ - 226018

فون نمبر: 0522-4079768 e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک

اتوار کو آفس بند رہتا ہے-----

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۱۳۱ رنیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہ اولیں

یحییٰ نعمانی / مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توہینِ رسالت کے حالیہ واقعات اور کچھ مسلمانوں کا طرزِ عمل

ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ اسلامی شریعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہر قسم کے حالات کے لیے رہنمائی اور نمونہ موجود ہے۔ خصوصاً ایسے اجتماعی مسائل جن کا تعلق مسلمانوں کی پوری امت سے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلق جیسے نازک مسائل سے ہو، ان میں ہمارا دینی فرض ہے کہ اللہ و رسول کی رہنمائی کے بغیر ایک قدم بھی نہ بڑھائیں۔ موجودہ زمانے میں اسلام اور رسول اللہؐ کے ناموس مبارک کی توہین کے ملعون واقعات بھی اسی زمرہ کی چیز ہیں۔

مسلمان کے لیے اس کی سب سے قیمتی متاع اللہ اور رسولؐ کی محبت اور دین کا احترام ہے۔ یہ بڑی قیمتی اور مبارک چیز ہے کہ ایک مسلمان اللہ کے رسولؐ کی عزت کی خاطر جان سپاری کرنا اپنے لیے بڑی سعادت کی بات سمجھتا ہے۔ اسی جذبے سے اس کی زندگی میں رونق و حسن ہے، یہی اس کے ایمان کا محافظ اور یہی اس کے لیے ابدی سعادت اور جنت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

مسلمانوں کا مزاج رہا ہے کہ وہ ہر تکلیف اپنی جان پر برداشت کر سکتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کو ایک کانٹا چبھے یہ ان کے لیے ناقابل برداشت بات ہے۔ پھر کیسے توقع کی جاسکتی ہے رسول اللہؐ کے کارٹون بنائے جائیں، ان کی تضحیک کی جائے، معاذ اللہ ان پر سنگین اور گھناؤنی تہمتیں لگائی جائیں اور مسلمانوں کو سخت برا نہ لگے۔

یقیناً برا لگنا، بلکہ شدید تکلیف و اذیت محسوس کرنا فطری ہے۔ ایسا نہ ہو تو ایمان میں کمی ہے لیکن اس تکلیف اور اذیت کے عالم میں کیا ردعمل ظاہر کرنا ہے یہ خود اسی رسول سے سیکھنا اور اس کی سنت سے معلوم کرنا ہے، جس نے صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے ایسے ایمان والے مطلوب ہیں جو اپنے دل کی ہر خواہش کو میری

ہدایات واحکام کے تابع کردیں۔

رسول اللہؐ کے زمانے میں اہانت اسلام کی حرکتیں بھی واقع ہوتی ہیں اور توہین رسول کی لعنتیں بھی۔آپؐ کو گالیاں بھی دی گئیں۔یہاں تک کہ آپ کی پاکیزہ زوجۂ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہؓ پر ملعون منافقوں نے بے بنیاد اور گھناؤنے الزام بھی لگائے۔ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آپؐ نے مختلف موقعوں پر کیا طرز عمل اختیار فرمایا اور قرآن وحدیث نے مسلمانوں کو کیا کرنے کا حکم دیا۔

۱-اسلامی شریعت میں مجرم کو قانونی سزا دینے کا اختیار (Authority) باقاعدہ قائم حکومت کو ہے۔لہٰذا ایسی حرکت کا مجرم اسلامی ریاست کا باشندہ ہوا تو آپؐ نے اس کو سخت سزا دی۔یہ ایک مشہور یہودی مجرم کعب بن الاشرف کا واقعہ ہے۔

۲-لیکن عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے جب ایسی حرکت کی،اور آپؐ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اندازہ ہوا کہ اس سے فتنہ پیدا ہوجائے گا تو آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا (صحیح مسلم،کتاب التوبۃ،باب فی حدیث الافک)۔

اسی شخص کی اسلامی ریاست کے خلاف ایک ایسی ہی خطرناک سازش اور فتنہ انگیز حرکت پر بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ اس کو قتل کی وہ سزا دی جائے جو قانونی طور پر مقرر ہے،تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں،اس سے لوگوں کو ہم کو بدنام کرنے اور یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرادیتے ہیں۔(سنن ترمذی تفسیر سورۂ منافقون)۔

آپؐ کے اس طرز عمل سے واضح رہنمائی ملتی ہے کہ اگر کسی ایسے مجرم کو سزا دینے سے فتنہ وخونریزی کا خطرہ ہو یا صورت حال ایسی ہو کہ اعدائے اسلام کو پروپیگنڈہ اور بدنام کرنے کا موقعہ مل جائے گا اور اس پروپیگنڈے کے مؤثر اور کامیاب ہونے کا بھی اندیشہ ہو تو پھر ایسی حرکتوں پر اسلامی ریاست (قانونی اختیار ہونے کے باوجود) کوئی اقدام نہیں کرے گی۔

۳-اور اگر اہانت اسلام یا توہین رسول کے واقعات کا مجرم اسلامی ریاست سے باہر کا ہوتا تھا یا اُس کو سزا دینا ممکن نہیں ہوتا تھا تو ایسی صورت میں آپؐ کا طرز عمل صرف اور صرف نظر انداز کردینے اور صبر کرنے کا تھا۔اور یہی قرآن کا حکم تھا۔

مسلمان وہ امت ہیں جن کے پاس واضح رہنمائی اور خدائی احکام ہیں۔قرآن نے مسلمانوں کو صاف آگاہ کیا تھا:وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ أَذًى

كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الأُمُورِ (تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین سے بہت سی دل دکھانے والی باتیں سنو گے۔ لیکن اگر تم صبر کرو گے اور تقوی پر قائم رہو گے تو یہ ہوگی مضبوطی اور ہمت کی بات۔)

یہ اہل کتاب مدینہ کی اسلامی ریاست میں رہتے تھے۔ مسلمان اس ریاست کا طاقتور اور مضبوط حصہ تھے۔ مگر دیکھئے قرآن کہہ رہا ہے کہ ایسی دل آزار حرکتوں کا جواب ہمت و دانش کے ساتھ اختیار کیا گیا صبر کا رویہ ہے۔ اور اس کے ساتھ تقوی والی زندگی اور اس کی جدوجہد مسلمانوں کا اصل مشن ہے۔

عربوں کا میڈیا ان کی شاعری تھی۔ قصیدوں کے ذریعہ جو ہجو کی جاتی تھی برق رفتاری سے قبائل میں پھیل جاتی تھی۔ مکہ کے شعراء رسول اللہؐ کی ہجو کہتے تھے اور آپؐ کا نام بجائے ''محمد'' کے ''مُذمّم'' رکھتے تھے۔ محمد کے معنی ہیں قابل تعریف اور مذمّم کے ''قابل مذمّت''۔ آپؐ بڑی حکمت کے ساتھ صحابۂ کرام کو دلاسہ دیتے اور فرماتے، دیکھو اللہ ان کے سبّ وشتم سے مجھے کیسے بچا رہا ہے، وہ ''مذمّم'' کو گالیاں دے رہے ہیں اور میں محمد ہوں (بخاری)۔ یہ تھا رسول اللہؐ کا ردعمل۔ نہ اشتعال نہ بے صبری، نہ ادھم کود۔

اہانت اسلام کے ان واقعات کے کیا مقاصد ہیں یہ جاننے کے لئے زیادہ ذہانت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب ان شاطر تنظیموں اور لابیوں کی کارستانی ہے جو مغرب میں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کی عام فضا پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ اب کون سمجھدار ہوگا جو مغرب کے مہذب، معقولیت پسند اور روشن خیال ہونے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو، بے چارے نے اپنے چہرے پر پڑی ہر نقاب خود ہی نوچ کر پھینک دی ہے۔ نائن الیون کے واقعے یا ڈرامے کے بعد سے اس پر اسلام دشمنی کا جو ہسٹریا طاری ہے وہ ہر فریب خوردہ کی آنکھیں کھول گیا۔

آزادی اظہار مغرب کی محبوب شے ہے جس سے اس کو سب سے زیادہ عشق ہے۔ اس کی زد میں اگر عیسائیت بھی آتی ہے تو مغرب کو کچھ پروا نہیں ہوتی۔ وہاں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے حق میں ہر خباثت ہوتی ہے اور یہ بدنصیب وگمراہ قوم اس کو اسی آزادی اظہار کے نام پر روا رکھتی ہے۔

اہانت اسلام کی حرکتیں کرنے والے دیکھ رہے ہیں کہ ان حرکتوں کے ذریعہ ان کا کام کتنی آسانی سے پورا ہو رہا ہے۔ ہر کچھ دنوں کے بعد وہ کوئی ایسی حرکت کر دیتے ہیں اور بس مسلمان جلوس نکال رہے ہیں، آگ لگا رہے ہیں، سفارت خانوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ اور اپنی ہی پولیس کی گولیاں اور لاٹھیاں کھا رہے ہیں اور اپنا اور اپنے بھائیوں کا خون بہا رہے ہیں —— اور بڑی آسانی کے ساتھ میڈیا کو یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقعہ مل رہا ہے کہ مسلمان بے انتہا جھگڑالو اور اندھا دھند تشدد کے خوگر ہیں۔

کیوں مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان احتجاجوں اور مظاہروں اور مذمتی بیانات سے توہین اسلام کے مرتکبوں کا کچھ بگڑنے والا نہیں۔ اور وہ عقل سے نہیں سمجھتے تو سالوں کے لگاتار تجربات ان کو سبق کیوں نہیں دیتے کہ آج تک ان کے ان احتجاجوں کا الٹا ہی اثر ہوا ہے۔ کیا آج تک کسی احتجاج نے اس سلسلے کو روکا ہے؟ اگر ہم ان حرکتوں کو قرآن وسنت کی تعلیم کے مطابق مطلق نظر انداز کر دیتے تو ان کارٹونوں اور فلموں کو کتنے لوگ دیکھتے؟ بس چند ہزار۔ مگر افسوسؔ یہ ہماری نادانی ہے کہ ہم ان کو پوری دنیا میں شہرت دے دیتے ہیں۔ خدایا ہماری قوم کو عقل دے دے!

مسلمان جتنا مشتعل ہوتے ہیں اور ان حرکتوں پر جتنا سخت ردعمل ظاہر کرتے ہیں مغربی میڈیا اتنا ہی خوش ہوتا ہے اور اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ بلکہ وہ اُن واقعات کو بھی اسی احتجاج کے کھاتے میں ڈالتا ہے جو کسی طرح اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ ابھی تازہ امریکی فلم کے ردعمل میں مسلمانوں کی طرف سے احتجاجی مظاہروں کی لہر چلی، مغربی میڈیا نے افغانستان میں ناٹو کے اڈے پر طالبان کے حملے کی خبر دی تو بے حیائی کے ساتھ یہ جھوٹ بولا کہ یہ حملہ فلم پر احتجاج میں کیا گیا۔ کابل میں ایک خودکش حملے میں حملہ آور مغربی ملکوں کے افراد مارے گئے تو بھی یہی کہا گیا کہ یہ فلم کا بدلہ لیا گیا ہے۔

غور کیا جائے تو اکیلی یہ بات ہی یہ سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ یہ احتجاج ان مفسدوں اور دشمنوں کے کتنے کام کی چیز ہے۔ مگر افسوس مسلمانوں کے اندر عقل وشعور کی کتنی کمی ہے، ان کو جو دشمن جب چاہے جس طرح چاہے کھلونہ بنالے اور مزہ دیکھے۔

اہانت اور سب وشتم کرنے والے سے صرف نظر، کوئی مجبورانہ فیصلہ نہیں ہوتا، بلکہ اگر دانش مندی سے کیا جائے تو یہ ایک کامیاب حکمت عملی ہوتی۔ جو جھوٹے الزام کو دفن بھی کر دیتی ہے اور بدگو اور بدباطن دشمن کو انسانیت کی آنکھوں میں ذلیل بھی۔ اسی سے ہمدردیاں حاصل ہوتی ہیں اور اسی سے اسلام اور رسول اسلام کی عزت بھی بڑھتی ہے۔ اسی لیے قرآن نے اس کو ''عزم الأمور'' یعنی مضبوطی اور ہمت کی بات کہا ہے۔

اگر مسلم عوام کی جذباتیت اور بے شعوری پر نہایت افسوس ہے تو اس سے کہیں زیادہ المناک و اندوہناک یہ بات ہے کہ اکثر و بیشتر ایسے احتجاجی مظاہرے مسلم سیاسی گروہوں کی خالص خودغرضانہ سیاست کا موضوع بن گئے ہیں۔ رسول اللہ کے نام پر اور اسلام کی عزت کے نام پر بری طرح مفادات کی سیاست ہو رہی ہے۔ کیسے کہا جائے کہ عوام کی بے شعوری سے زیادہ مسلمانوں کے قائدین کی یہ بے غیرتی خطرناک ہے کہ وہ ناموس رسول پر بھی اپنی سیاسی دکان چمکانے سے نہیں چوکتے۔

اسی مسئلہ کے کچھ اور اہم پہلو:

عزیز القدر مولوی یحییٰ نعمانی کا وہ مضمون جو سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمایا وہ گذشتہ ماہ اس وقت ملا جب ماہ اکتوبر کا الفرقان پریس جا چکا تھا، اس لئے اِس شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے —— مسئلہ کے جس اصولی پہلو کی جانب اس مضمون میں توجہ مبذول کرائی گئی ہے، اس کے علاوہ کچھ اور پہلو ہیں جن کو پیش نظر رکھنے سے دشمن کی سازش کو سمجھنا اور اس کے مقابلے کے لئے بہتر طریق کار اپنانا آسان ہوگا، اس خیال سے مزید کچھ معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہئے کہ جس بدنام زمانہ فلم نے مختلف ملکوں میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا، اس کا اصل نشانہ عالم عرب اور بالخصوص مصر تھا، یہ فلم جس شخص نے بنائی وہ امریکہ میں مقیم ایک ۵۵ سالہ مصری نژاد قبطی عیسائی شخص ہے جو اپنے مجرمانہ کردار کی وجہ سے کئی سال جیل میں رہ کر کچھ عرصہ پہلے ہی پیرول پر جیل سے باہر آیا تھا، اس کے بارے میں معتبر ذرائع یہ بھی بتاتے ہیں کہ بعض مقدمات میں سزا سے بچنے کے لئے اس نے امریکہ کی فیڈرل پولس کی مخبری کا کام بھی کیا تھا۔ اس فلم کو جس شخص نے اپنی ویب سائٹ کے ذریعہ مشتہر کیا وہ بھی مورِس صادق نامی امریکہ میں مقیم ایک مصری نژاد قبطی عیسائی ہے۔ تیسرے نمبر پر وہ شخص جس نے اسے عربی زبان اور مصری لب ولہجہ میں منتقل کیا وہ بھی امریکہ میں مقیم ایک مصری نژاد قبطی عیسائی ہے، اور اِن سب کے علاوہ ایک اور شخص کا نام ذرائع ابلاغ میں لیا جا رہا ہے جس کا نام اسٹیو کلین ہے جو ایک ایسی عیسائی دہشت گرد تنظیم سے جڑا ہوا ہے جو مسلمانوں کے اسکولوں اور مسجدوں کے خلاف مستقل طور پر تحریک چلانے کے لئے مشہور ہے۔ اس فلم کا رشتہ ایک انتہا پسند صلیبی تنظیم ''میڈیا فار کرائسٹ'' سے بھی بتایا جا رہا ہے۔ یہ تنظیم عربی زبان میں بھی ایک مذہبی چینل ''Way TV'' کے نام سے چلاتی ہے ——

بہر حال فلم کے اس ''شجرے'' سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ فلم دراصل عالم عربی اور مصر پر ایک صلیبی حملہ ہے۔ اور اس کا اصل مقصد مصر اور عالم عربی کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنا تھا، جس کی وجہ سے اسلام پسند حلقے اپنے روایتی جوشیلے، رومانی، اور منفی طرز عمل کو ترک کر کے حقیقت پسندانہ، تدریجی اور مثبت انداز اپنا رہے ہیں، اور معاشرے کے مختلف عناصر کو ساتھ لے کر مشترکہ مسائل کے لئے مشترکہ جدو جہد کے طرز کو اختیار کر رہے ہیں —— اور ان کے اس بدلے ہوئے رویہ ہی کی وجہ سے وہاں اس کے امکانات نظر آنے لگے ہیں کہ وہ مصر اور دیگر عرب ممالک میں ایک ایسی قیادت برپا کرنے میں کامیاب ہو

جائیں گے جو مغرب کی کاسہ لیسی اور غلامی نیز صلیبی وصہیونی منصوبوں کی تکمیل کے بجائے اپنے قومی ووطنی مفادات کے لئے کام کرے گی، اور بالآخر اس ہمہ گیر انصاف کے ہدف تک پہنچ جائے گی جو اسلام کا اصل مقصود اور اس کے مشن کی اصل روح ہے۔

باخبر لوگ جانتے ہیں کہ مصر اور عالم عرب کی تحریکِ اسلامی کی موجودہ قیادت نے ایک ایسا ماحول تیار کرنے میں قابل لحاظ حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے جس میں ملک کے دین پسند عوام کے علاوہ وہ طبقات بھی مشترکہ جدوجہد میں اس کا ساتھ دے رہے ہیں جن کی ترجیحات بلکہ افکار وعقائد بھی کافی مختلف ہیں یہاں تک کہ مسیحی عوام کی ایک تعداد بھی ان کی حمایت کرتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ اور یہ وہ صورت حال ہے جسے صلیبی اور صہیونی طاقتیں کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتیں، اور مصر وعالم عرب کے عوام کے مختلف طبقوں کے درمیان مذہبی وفرقہ وارانہ منافرت اور خوف کے جذبات کو بھڑکا کر، اور وہاں کے عوام کی توجہ کو مشترکہ اور بنیادی مسائل کی طرف سے ہٹا کر باہمی خانہ جنگی میں الجھانے کی کوشش کرنا ان کی اِس وقت سب سے پہلی ترجیح ہے۔

اس پس منظر میں اس بدیہی نتیجے تک پہنچنے کے لئے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں ہے کہ خصوصاً مصر اور عالم عرب کے عوام وخواص کو اس صلیبی حملے کے مقابلہ کے لئے ایسا طریق کار ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے وہاں کا ماحول ایک بار پھر نفرت اور خوف سے مغلوب ہوجائے، اور معاشرے کے وہ عناصر جو ایک دوسرے سے قریب آرہے تھے، ایک بار پھر باہمی منافرت اور منفی مزاج کے سابقہ دور کی طرف واپس چلے جائیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا ہے تو یقیناً یہ دشمن کی فتح اور اپنی شکست کے مترادف ہوگا—— دو، چار آدمیوں کو اگر آپ نے غصے میں آکر قتل بھی کر ڈالا، اور دس۔ بیس عمارتوں اور گاڑیوں کو آپ نے آگ بھی لگادی تب بھی آپ ہی ہارے، اور آپ کا دشمن، خود آپ کی حماقت کی وجہ سے جیت گیا—— اور آپ نے ۱۰۰ سالہ جدوجہد کے بعد جو پیش قدمی شروع کی تھی وہ دشمن کی ایک ہی چال میں رک گئی۔

یہاں پر یہ بات یقیناً قابل ذکر اور موجبِ شکر ہے کہ مصر، تیونس اور ترکی وغیرہ کی قیادت اس مسئلہ کی اصل نوعیت کو بخوبی سمجھ گئی، اور اس نے بھرپور کوشش کرکے اپنے ملکوں میں عوامی ردعمل کو بے قابو ہونے نہیں دیا—— لیکن اسی کے ساتھ یہاں سخت رنج وتشویش کے ساتھ یہ بات بھی عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اِن ملکوں میں وہ عناصر جو ''سلفی'' کہلاتے ہیں، ان کا رویہ بدستور نہایت غیر دانش مندانہ، اور خالص جذباتی اور منفی نظر آرہا ہے —— مصر اور عالم عربی میں سارا ہنگامہ تب شروع ہوا جب اس فلم کے

کچھ مناظر مصر کے اُس ٹی۔ وی چینل پر دکھائے گئے جو اسی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ایک گروپ کا ہے۔اسی طرح لیبیا میں جن لوگوں نے امریکی سفارت خانے پر حملہ کرکے امریکی سفیر اور سفارتخانے کے عملے کے چند اور لوگوں کو ہلاک کر دیا، وہ بھی، مبینہ طور پر، اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں —— اور اس کے بعد سے اب تک اِن ملکوں میں اس حلقے کی طرف سے جو کچھ کہا، لکھا، اور کیا جارہا ہے اس میں سے جتنا مواد ہم تک انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ سے پہنچ سکا ہے وہ زیادہ تر نہایت جذباتی اور بے حد غیر دانشمندانہ بلکہ احمقانہ انداز پر مبنی ہے —— اور اس کی وجہ سے ان ملکوں میں یہ خطرہ بہت شدت کے ساتھ ابھر کر آیا ہے کہ اسلام پسند حلقہ ہی آپس میں نہ ٹکرا جائے —— اور اِن دین داروں کو باہم دست بگریباں دیکھ کر اور ''مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ'' دیکھ کر دوسرے حلقوں کے جو عوام اِن کے ساتھ آنے لگے تھے وہ ایک بار پھر دین اور اہل دین سے متنفر ہو کر وہیں جانے ہی میں عافیت سمجھنے لگیں جہاں اب تک وہ تھے —— اور اگر ایسا ہوا تو یہ ایک بہت ہی الم ناک حادثہ ہوگا۔

کاش کہ یہ لوگ جو چند فقہی مسائل میں ''کتاب وسنت'' کا دن رات نام لیتے ہیں وہ خود کفر ونفاق کے حملوں کے مقابلے کے سلسلے میں مختلف قسم کے حالات میں مختلف قسم کی حکمت عملیاں اپنانے کی قرآنی و نبوی ہدایات پر بھی غور کرتے۔ بلکہ قرآن نے تو ایک اصولی ہدایت ایسے معاملات میں یہ بھی دی ہے کہ ''جب بھی کوئی خبر امن کی یا خوف کی آیا کرے تو اس خبر کو فوراً عام نہیں کر دینا چاہئے، اس طرح کی صورت حال میں لازماً رسول اللہ اور ''اولوالامر'' کی طرف ''رجوع'' کرنا چاہئے، کیونکہ بات کی تہہ تک پہنچنا اور صورت حال کا صحیح تجزیہ کرنا ہر کس وناکس کے لئے ممکن نہیں ہوتا (سورۂ نساء، آیت: ۸۳) اس آیت کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ جو لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ خود سے ہی خبر کو عام کر دیتے ہیں ان کو قرآن منافقوں کے زمرے میں شمار کرتا ہے۔

مگر مشکل یہ ہے کہ جس گروہ کا سطور بالا میں تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا اصل مسئلہ ہی یہ ہے کہ وہ تفقہ فی الدین اور رسوخ فی العلم رکھنے والوں کی طرف رجوع کرنے، اور کسی اور کے فہمِ دین کو، اپنے فہم سے زیادہ قابل اعتماد سمجھنے ہی کا قائل نہیں ہے۔ اور اس ایک بنیادی فساد کی وجہ سے اس کے فکر وفہم کی پوری عمارت ہی ٹیڑھی ہوگئی ہے۔

عالم اسلام کے حالات بتا رہے ہیں کہ آنے والے دنوں میں اِس گروہ کے طرز عمل پر حالات کی

بہتری یا ابتری کا، بڑی حد تک، انحصار ہوگا۔ وہ حضرات جو اِس گروہ کو مخاطب کر کے ان کو کچھ سمجھا سکتے ہیں وہ ضرور ایسا کریں، اور بلا تاخیر کریں، یہ ان کی طرف سے اسلام اور عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی —— اس گروہ کی پرورش میں سعودی و خلیجی حکومتوں اور وہاں کے بعض علماء کا جو کردار رہا ہے وہ باخبر لوگوں سے مخفی نہیں —— کاش کہ اب بھی اِن کی سمجھ میں آجائے کہ خوارج کی طرح کی جو جارحانہ، متشددانہ، منفی اور خودسَر نفسیات اِس گروہ کی بنتی جارہی ہے، اس کا نقصان اس کے فائدے سے بہت زیادہ ہے —— خبریں ملتی رہتی ہیں کہ اب خود وہی حکومتیں جنھوں نے ان لوگوں کو بہت بڑھاوا دیا ہے، وہ اب خود ان کی خودسری سے خاصی پریشان ہیں —— پوری امت مسلمہ کا ضمیر ان حکومتوں سے یہ خواہش کرتا ہے کہ وہ اِن لوگوں کو راہِ اعتدال پر لانے کی اور دانائی و ہوش مندی سکھانے کے سلسلہ میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ تاکہ مستقبل میں مزید نقصان نہ پہونچے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلك امراً

حمایتِ اسلام کے نام پر ایک اور وحشیانہ اور غیر اسلامی حرکت

آج ۱۰/ اکتوبر بدھ کا دن ہے۔ یہ راقمِ سطور ظہر کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر قیلولہ کے لئے لیٹا، مگر تھوڑی ہی دیر بعد طبیعت میں ایک اضطرابی کیفیت سی محسوس ہوئی، اچانک (خدا جانے کیوں) خیال آیا کہ انٹرنیٹ پر کچھ تازہ خبریں دیکھوں، بی، بی، سی اردو کی سائٹ پر جا کر کل منگل کی شام نشر ہونے والا سیر بین سننے لگا، جس کی سب سے بڑی خبر یہ تھی کہ منگل کی سہ پہر پاکستان کے صوبہ سرحد کے سوات میں واقع منگورہ نامی شہر میں ایک ۱۴ سالہ نوجوان بچی ملالہ یوسف زئی پر دو موٹر سائیکل سواروں نے اس وقت گولیوں کی بوچھار کردی جب وہ اپنے اسکول کی بس سے گھر واپس آرہی تھی —— اس حملہ میں ایک ٹیچر اور ایک اور طالبہ بھی زخمی ہوئی —— خبروں کے مطابق تحریک طالبان پاکستان کے ایک ترجمان نے اس حملے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کہا:

''اگر وہ زندہ بچ گئی تو ہم پھر اس پر حملہ کریں گے —— اِن صاحب نے اپنے بیان میں ملالہ یوسف زئی کا جرم یہ بتایا کہ وہ مغرب کی حامی تھی اور طالبان کے خلاف اظہار خیال کرتی رہتی تھی، وہ کم عمر ہونے کے باوجود پختون علاقے میں مغربی تہذیب کو فروغ دے رہی تھی''۔ ایک خبر کے مطابق انھوں نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا کہ اگرچہ ملالہ ایک کم عمر لڑکی ہے اور تحریک طالبان پاکستان خواتین پر حملے نہیں کیا کرتی، تاہم شریعت، اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والے ہر شخص کو ہلاک کردینے کا حکم دیتی ہے۔ اور ایسے ہر شخص کو جو شریعت مخالف مہم کی علامت بن جائے، ہلاک کردینا جائز ہی نہیں، فرض ہوجاتا ہے ... ''

ملالہ یوسف زئی کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوسکیں، ان کے مطابق یہ منگورہ کے ایک اسکول کے ڈائرکٹر ضیاء الدین یوسف زئی کی بیٹی ہے، جن سے بی، بی، سی کے نمائندے نے یہ چاہا تھا کہ ان کے اسکول کی کوئی معلمہ تحریک طالبان پاکستان کے زیر اقتدار سوات کے حالات پر ایک رپورٹ تیار کردے۔ مگر جب کوئی معلمہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئی، تو ضیاء الدین صاحب کی ۱۱/ سالہ بیٹی ملالہ نے، جو اس وقت ساتویں کلاس کی طالبہ تھی، ڈائری لکھنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس کے والدین نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ اور اس نے سوات کے حالات پر اپنی ڈائری میں روزانہ کے حالات پر اپنے تاثرات لکھنے شروع کردئے —— اس کی یہ ڈائری بی، بی سی اردو پر ''گل مکئی'' کے قلمی نام سے شائع ہوتی رہی۔ یہ بات ہے ۲۰۰۹ء کی، جب کہ سوات پر تحریک طالبان پاکستان کا قبضہ تھا، اور وہ اسلامی نظام برپا کرنے کے کام کی شروعات لڑکیوں کی تعلیم کو ممنوع کرنے، اور روزِ اول سے اسی ''فرض'' کی ادائیگی کے ذریعہ کر رہے تھے جس کا تذکرہ اوپر نقل کئے گئے اُن کے ترجمان کے بیان میں کیا گیا ہے، یعنی قتل، قتل اور قتل.... — اور یہ لڑکی کمسنی کے باوجود اپنی دانست میں لڑکیوں کے حقِ تعلیم کی لڑائی لڑ رہی تھی.... اکتوبر ۲۰۱۱ء میں ایک بین الاقوامی انعام کے لئے اس کے نام کا جب اعلان کیا گیا تب دنیا کو پتہ چلا کہ یہ ڈائری لکھنے والی لڑکی کون ہے؟ پھر اسی سال دسمبر میں پاکستان میں اسے پہلے امن انعام کا مستحق قرار دیا گیا، تو اس کی شخصیت اور زیادہ معروف ہوگئی، اور وہ تبھی سے تحریک طالبان کے نشانے پر آ گئی۔

مان لیجئے کہ یہ لڑکی سو فیصد گمراہ تھی، اسلام کے راستے سے دور جا چکی تھی، اور اس کے افکار و عقائد اور اعمال سب اسلام کے بالکل خلاف تھے، تب بھی کیا اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ ایسی لڑکی کو راستہ چلتے ہوئے مار ڈالو، لاحول و لاقوۃ الا باللہ —— پاکستان عجیب مخمصے میں پھنسا ہوا ہے، ایک طرف وہ مغرب زدہ، اور شکست خوردہ طبقہ ہے جو پاکستان کو مغرب کا ایک ''زرخرید غلام'' بنائے رکھنے کے موقف پر ڈٹا ہوا ہے، اور تیزی کے ساتھ پاکستان کو صلیبی و صہیونی طاقتوں کا ایک ادنی اور سو فیصد فرمانبردار اور وفادار غلام بناتا چلا جا رہا ہے۔ اور دوسری طرف یہ لوگ ہیں جو یقیناً اس دور کے ''خوارج'' ہیں، جن کے طور طریقے، اور جن کی حرکتیں بلاشبہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، اور جن سے اسلام کی تصویر بری طرح مسخ ہو رہی ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ ہمارے معاشرے کے زیادہ تر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں صحیح تعلیم اور

تربیت نہ مل سکنے کی وجہ سے اور چاروں طرف پھیلے ہوئے عقیدہ وعمل کو بگاڑ دینے والے بے شمار اسباب و عوامل کی وجہ سے راہ سے بے راہ ہو رہے ہیں —— اور پھر جب ان کے سامنے دین کی ایسی خوفناک اور وحشت ناک تصویر آتی ہے جس کا اسلام کے حسین چہرے سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہوتا تو ان کی دین سے دوری اور بدظنی نفرت کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور پھر اُن میں سے جن کے اندر اپنے باغیانہ خیالات کے اظہار کی جرأت ہوتی ہے، اور جن کی آواز کو دور دور تک پہنچانے والے ذرائع بھی میسر آجاتے ہیں، تو پھر کیا ایسے لاکھوں اور شاید کروڑوں نوجوانوں کے بارے میں شریعت یہی کہتی ہے کہ بس انھیں نہتّا پا کر مار ڈالو؟... اِن کا کوئی اور علاج نہیں ہے؟؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ کن لفظوں میں اسلام کی ایسی فہم اور ایسی ترجمانی پر ماتم کیا جائے! اور اِن اسلام کے علم برداروں کی متاعِ دین ودانش لٹ جانے کا شکوہ کن لفظوں میں کیا جائے!!

دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ ہم جیسے معمولی حیثیت رکھنے والے دین کے بے شمار خدمت گذار بھی اپنے نہاں خانۂ دل میں یہ امید چھپائے ہوئے جی رہے ہیں کہ نہ جانے ایسے کتنے نوجوان طلبہ وطالبات شاید ہماری نجات کا ذریعہ بن جائیں گے جو پہلے سر سے پیر تک مغرب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، مگر اب وہ اسلام کے شیدائی اور حق کے داعی ہیں۔ اور آئے دن یہ تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ مزاج پر محبت اور دعوت کا رنگ غالب ہو، نہ کہ نفرت اور دہشت گردی کا۔

دعا ہے کہ یہ بچی جو اِن سطروں کی تحریر کے وقت زندگی وموت کی کشمکش میں ہے اس کا جسم بھی اس حملے کی زد سے صحیح سالم نکل آئے اور اس کا دل ودماغ بھی کفر والحاد، بے راہ روی اور نفرت کی نفسیات کے حملوں سے نکل آئے —— اور یہ بھی دعا ہے کہ پاکستان کے علماء اور مذہبی جماعتیں، مدارس کے ذمہ داران اور سرکردہ علمی وفکری شخصیات اس صورت حال میں اپنے فرائض منصبی پوری اجتماعیت کے ساتھ اور بھرپور ہمت اور حکمت ودانائی کے ساتھ ادا کرسکیں کہ اب سکوت کا کوئی جواز نہیں ہے اور دونوں انتہاؤں کے درمیان کی راہِ اعتدال کو پوری طاقت کے ساتھ پیش کرنا نہایت ضروری ہے کہ پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ اور اسلام اپنے نادان دوستوں اور دانا دشمنوں دونوں کے درمیان مسخ ہو رہا ہے۔

☆☆☆

محفل (۱۲۰) سورۃ النساء (۲۵)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

یہ یہود کی سرکشی ہی تھی کہ کتنی حلال چیزیں تک اُن پہ حرام کرادیں

وہ نہیں مانتے نہ مانیں، نبوتِ محمدی پر شاہد ہے اللہ، اس کا کلام اور فرشتگانِ عظام!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۶۲﴾ اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا

بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

ترجمہ

اور یہود کی حد شکنیوں کے سبب سے ہم نے حرام ان پر کر دی تھیں بہت سی وہ پاکیزہ چیزیں جو انھیں حلال تھیں، نیز اس سبب سے کہ وہ بڑی کثرت سے اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنتے تھے، اور ان کے سود لینے کے سبب سے، جبکہ ممانعت ان کو اس کی کی گئی تھی، اور مال لوگوں کا ناجائز طور پر کھانے کے سبب سے۔ اور تیار ہم نے ان میں کے کافروں کے لئے کر رکھا ہے دردناک عذاب۔ البتہ ان میں جو علمِ حق میں پختہ اور ایمان والے ہیں کہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تم پر (اے نبی) نازل کیا گیا اور جو تم سے پہلے نازل کیا گیا اس پر، اور نمازیں قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، انھیں ہم ضرور بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

ہم نے بیشک وحی تم پر (اے نبی) بھیجی ہے جیسے بھیجی تھی نوح پر اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف۔ اور ہم نے وحی بھیجی تھی ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق اور اَسباط کی طرف اور عیسٰی اور ایوُّب و یونس اور ہارون و سلیمان کی طرف اور داؤد کو زبور ہم نے دی تھی۔ اور اُن دوسرے پیمبروں پر جن کا حال ہم تمھیں پہلے سنا چکے ہیں نیز ان پر کہ جن کا حال تمھیں ہم نے نہیں سنایا۔ اور موسیٰؑ سے تو اللہ نے براہِ راست کلام فرمایا۔ اور یہ سب رسول بھیجے گئے خوشخبریاں دینے اور ڈر سنانے والے بنا کر، تاکہ کوئی عذر لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں ان رسولوں کے بعد نہ رہ پائے۔ اور اللہ غلبے والا ہے صاحبِ حکمت ہے۔ (اس کے بعد بھی کوئی شبہ تمہاری وحی میں رکھتا اور دلیل مانگتا ہے تو مانگا کرے) پر اللہ گواہی اس کتاب کے حق میں دیتا ہے جو اس نے تم پر نازل کی (کہ) وہ اس نے نازل کی ہے اپنے علمِ خاص کے ساتھ اور گواہی دیتے ہیں

ملائکہ۔اور اللہ (خود) کافی گواہی کے لئے ہے۔

وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے وہ بلاشبہ بہت دور گمراہی میں جا نکلے ہیں۔ وہ کہ جنھوں نے کفر کیا اور ظلم اپنایا ہے، اللہ نہیں ہے کہ انھیں معاف کرے اور نہ ہی انھیں راستہ دکھلانے والا ہے۔ ہاں مگر جہنم کا راستہ جس میں وہ سدا رہیں گے۔ اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔

ایک اور سزا اور کچھ اور سرکشیاں

یہ آیتیں اپنے سے اوپر ہی کے سلسلۂ کلام کا جز ہیں۔ یہاں یہود کی سرکشیوں کے سبب سے ان کے حصے میں آنے والی ایک اور سزا کا حوالہ دیا جا رہا ہے، کہ بہت سی حلال طیب چیزیں جو ان کے لئے حلال چلی آ رہی تھیں اِنھیں حرکتوں کی وجہ سے سزاءً حرام کر دی گئیں۔ ان چیزوں کا ذکر دوسری جگہ تفصیل سے آیا ہے۔ سورۂ انعام (۶/۱۴۶) میں آتا ہے: **وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا** ۔۔۔۔ (اور یہود پر ہم نے حرام کر دئے تمام کُھر والے جانور اور گائے بکری میں حرام ہم نے ان پر کر دیں ان کی چربیاں بجز اس کے جو اُن کی پشت پر اور انتڑیوں میں لگی ہوئی ہوں یا ہڈی سے چپکی ہوئی ہوں۔ یہ ہم نے ان کو سزا دی ان کی سرکشی کی۔) اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ سزا صاف طور پر اس قسم کی تھی جس کا مقصد تادیب و اصلاح ہوتا ہے، کہ باز آ جائیں۔ لیکن یہ باز نہ آئے حتّٰی کہ راندۂ درگاہ ہوئے۔

سزا کے اس حوالے کے بعد ان کی سرکشیوں میں سے چند اور کا حوالہ دیتے ہوئے، کہ وہ بھی اس سزا کے پس منظر میں ہیں، فرمایا گیا ''اور ان کی اس سرکشی کے سبب سے بھی کہ لوگوں کو راہِ حق سے روکنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ نیز سود بے خوف لینے کے سبب سے جب کہ اس کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور لوگوں کی جیب سے مال نکلوانے کے لئے دوسرے اور ناجائز حیلے اختیار کرنے کے سبب سے۔'' یہ آخری بات خاص ان کے علماءِ سُوء کا حال بیان کر رہی ہے (جن کا تجربہ اس امت کو بھی ہوتا آ رہا ہے، جو اپنی دینی حیثیت کو حلوے مانڈے کا ذریعہ بناتے ہیں۔) ان ہی کے بارے میں دوسری جگہ آتا ہے۔ **فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى** ۔۔۔۔ پھر (صالحین کے گزرنے کے بعد)

خلافت اُن ناخلفوں کے حصے میں آئی اور علمِ کتاب کی وراثت انھوں نے پائی جو اس دنیا کا مال ومتاع دونوں ہاتھوں سے لیتے اور کہتے تھے مغفرت تو ہماری ہوگی ہی۔(الاعراف ۷/ ۱۶۹) اس دنیاوی سزا کا حوالہ دے کر آخر میں آخرت کی سزا یاد دلائی گئی ہے اور فرمایا گیا: وَاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا وہاں بڑا سخت عذاب ان کے لئے تیار ہے۔

جو اِن میں مختلف تھے ان کے ساتھ معاملہ بھی مختلف

کچھ افراد بہر حال ان کے ہر دور میں اچھے پائے گئے، علیٰ ہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی ایک تعداد ان میں حق پرستوں کی نکل کر آئی اور آپ کو مانا، جن کا ذکر قرآن بالعموم مقابلۃً ساتھ ہی ساتھ کر دیتا ہے، انھیں یاد کر کے فرمایا جا رہا ہے، ''رہے وہ افراد (والراسخون فی العلم) جو اپنے علم کے حقیقت شناس ہیں اور اس لئے حق دیکھتے ہی اسے قبول کرتے ہیں، وہ اپنی قدیم کتاب کو ماننے کے ساتھ نبیٔ امی پر نازل کی گئی کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں، نماز اور زکوٰۃ کے پابند اور آخرت میں یقین رکھنے والے ہیں انھیں ہم بے شک اجرِ عظیم سے نوازیں گے۔'' اس ارشاد میں رسوخ فی العلم اور راسخون فی العلم کی تعریف (defination) بھی نکل آئی ہے کہ یہ اوصاف جن کا حوالہ یہاں راسخون فی العلم کی صفت میں دیا جا رہا ہے ان میں پائے جانے چاہئیں۔

آگے اہلِ کتاب، بالخصوص یہود، کو مخاطب کئے بغیر، جواب ان کی اس بات کا دیا جا رہا ہے جو اِن الفاظ سے بیان میں آئی تھی کہ ''مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی شہادت میں کوئی نوشتۂ آسمانی ان کے اوپر اتُروایا جائے۔'' فرمایا نبوت اور وحی کوئی آج کی نئی نرالی چیز تو نہیں ہے۔ اہلِ کتاب خود نوح کے وقت سے اس کے چلے آنے کے قائل ہیں، تو جیسے وحی نوح (علیہ السلام) پر اُتری اور پھر ان کے بعد میں آنے والی نبیوں (والنبیین مِنْ بَعْدِہٖ) پر اُتری، بالکل ویسے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتر رہی ہے۔

نوحؑ کے بعد میں آنے والے نبیوں میں ان اہلِ کتاب کے کچھ اور زیادہ جانے پہچانے انبیاء تھے، سو اُن کا نام لے لے کر گنایا ہے کہ ابراہیم تھے اور پھر ان کی اولاد میں انبیاء و رُسُل کی جو ایک طویل زنجیر ہے اس میں معروف تر حضرات کو نام بہ نام گنایا گیا ہے۔ ان میں ایک نام، اسمٰعیلؑ، صرف ایسا تھا جس کی نبوت کو اہلِ کتاب نہ مانتے ہوں مگر اولاد ابراہیم کا ذکر ہے تو پھر اسے چھوڑنے کا مطلب ان کے عقیدے کی تائید بن جاتا تھا غالباً اسی لئے ان کا نام شامل کیا گیا۔ پھر اس فہرست کے مزید طویل ہونے کا اشارہ دیتے

ہوئے فرمایا گیا کہ کچھ اور اہلِ وحی تو وہ ہیں کہ جن کا ذکر ابھی تک ہم نے قرآن میں نہیں کیا ہے اور بعض وہ بھی جن کا ذکر آچکا ہے۔

نبوتِ محمدی ان کی تصدیق کی محتاج نہیں

اور آگے سیدھی چوٹ ہے یہود کے منہ پر، کہ (کَلَّمَ اللّٰہُ مُوسیٰ تَکلیماً) یعنی نبی موسیٰ (علیہ السلام) سے تو اللہ نے براہِ راست کلام فرمایا، پھر بھی تمھیں محمد پر وحی کی آمد بڑی اجنبی چیز معلوم ہو رہی ہے! ''لیکن اے نبی اگر ایسا ہے تو ہوا کرے۔ خود اللہ شہادت تمھاری نبوت کی تم پر نازل کردہ کلام (قرآن) کے ذریعہ دے رہا ہے، جسے نازل اس نے اپنے علمِ محیط سے فرمایا، اور شہادت دیتے ہیں فرشتے بھی۔ اور اللہ تو تنہا کافی ہے شہادت کے لئے۔''

قرآن کے ذریعہ شہادت کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلام خود زبردست شاہد نبوتِ محمدی کا ہے۔ اور کیسے نہ شاہد ہو، کہ وہ اللہ کے علمِ کامل سے ظہور پا رہا ہے، وہ علم جس نے اس کلام کو لفظی اور معنوی ہر پہلو سے معجزہ بنا کے اُتارا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو مختلف الفاظ و انداز سے قرآن میں دہرائی گئی ہے۔ ابھی کچھ پہلے گزرا ہے اَفَلا یَتَدَبَّرُونَ الْقرآنَ اَمْ علیٰ قُلُوبٍ اَقْفالُھا؟ کیا یہ قرآن میں نہیں غور کرتے یا پھر ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں؟ یا سورہ عنکبوت (۲۹/ ۱۵) میں کفار کی معجزہ طلبی کے جواب میں ارشاد ہوا ہے :اَوَلَمْ یَکفِھِمْ اَنَّا اَنْزَلْنا اِلَیکَ الْکِتابَ یُتْلیٰ عَلَیْھِمْ (کیا معجزے اور نشانی کے لئے انھیں اس کتاب کے علاوہ کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے جو انھیں پڑھ پڑھ کے سنائی جا رہی ہے؟)

اللہ کا علم جس سے یہ کتابِ ہدایت ظہور پا رہی ہے وہ علم ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے وَلا یُحِیطونَ بِشیءٍ مِّن علمِہٖ اِلّا بِما شآءَ (آیت الکرسی) اور اس علم کی اس صفتِ کمال نے وہ حقیقتیں قرآن میں رکھدی ہیں جن تک اس کے نزول کے وقت میں انسان کا علم نہ پہنچنا مسلّم ہے، اور اب علمِ انسانی کے صدیوں کے سفر کے بعد وہ بطورِ حقیقت کھل رہی ہیں اور اس علم والوں سے محمد کا کلمہ پڑھوا رہی ہیں (مثلاً یہ کہ بطنِ مادر میں انسان کی پیدائش کا عمل کن کن مرحلوں سے گزر کر مکمل ہوتا ہے۔) اللہ جزائے خیر دے ابنِ کثیرؒ نے اس موقع پر آیت الکرسی کا جملہ ''وَلا یُحِیطونَ بِشیءٍ مِّن علمِہٖ اِلّا بِما شآءَ'' کی طرف اشارہ کر کے علمِ الٰہی کے اس حوالے کی معنویت کا درجہ بہت بڑھا دیا ہے۔

فرشتوں کی شہادت میں معنویت کا پہلو

قرآن کے ذریعہ شہادت کی بات تو تھوڑے ہی سے غور سے صاف ہوجاتی ہے، کہ قرآن خود ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب'' کا مصداق ہے، لیکن فرشتوں کی شہادت کا حوالہ اِن منکرین کے لئے کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ یہ اتنی صاف بات بظاہر نہیں ہے۔ جبکہ زیرِ نظر تفاسیر میں اس کی طرف کوئی توجہ عام طور پر سامنے نہیں آرہی۔ اور ایک آدھ جگہ کچھ نظر آتا ہے تو وہ بے تکلف بات نہیں۔ اپنا خیال اس طرف جاتا ہے کہ جس طرح گزشتہ سورہ میں اللہ نے اپنی وحدانیت پر اپنے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھی گواہ ٹھیرایا تھا (آلِ عمران ر ۱۸) جس کا مطلب تھا کہ جن وانس میں جو اس کی وحدانیت کو نہیں مانتا نہ مانے، فرشتوں کی مخلوق اپنے زبان وعمل سے ہمہ دم گواہ اس کے لاشریک اِلٰہ ہونے کی ہے، اور جو اہلِ علم ہیں وہ گواہ ہیں۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے معاملے میں بھی یہ بے نیازی کی زبان ہے جو یہاں استعمال فرمائی گئی ہے۔ اور اس میں منکرین کی شورا شوری کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جو تسلی ہے، کن الفاظ میں اس کا بیان ہو؟ صلیٰ اللہ علیہ وسلم!

نہ سمجھنے والوں کا انجام!

آخر کی تین آیتوں میں کفر وانکار کی روش والوں کو تنبیہ وتہدید ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی روش سے اللہ ورسول کا تو کچھ بگڑنے والا نہیں خود ان کے حق میں اس کا انجام بہت برا ہونا ہے۔ پس وہ سمجھنا چاہیں تو سمجھ لیں۔ فرمایا ''وہ لوگ جو خود کفر کررہے ہے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکنے میں کوشاں ہیں وہ گمراہی کی اس انتہاء پر پہنچے ہوئے ہیں کہ انھیں مغفرت کے ان خیالوں میں مست نہ رہنا چاہئے جن کے فریب میں گم رہ کر وہ کسی بھی ناکردنی سے باک نہیں رکھ رہے ہیں۔ انھیں مغفرت ہرگز ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔ اور اب انھوں نے اپنا پیالہ ایسا بھر لیا ہے کہ سوائے دوزخ کے کوئی دوسرا انجام ان کا نہیں۔ انھیں غرّہ اپنے اسرائیلی نسب کا ہوا کرے، اللہ کو کوئی مشکل ان کو جہنم رسید کرنے میں نہیں ہونی۔ **وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا**۔

☆☆☆

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

ازدواجی زندگی
نبوی رہنمائی کی روشنی میں

الحمدللہ وکفیٰ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد
اعوذباللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ. وقال رسول اللہ ﷺ: خیرکم خیرکم لاھلہ.
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلامٌ علی المرسلین، والحمدللہ رب العٰلمین

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم

سخت مزاجی کا تعلق دینداری سے نہیں

آج کی مجلس کا عنوان ہے: ''ازدواجی زندگی احادیث مبارکہ کی نظر میں''۔ اکثر عورتوں میں یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ جو لوگ دیندار بن جاتے ہیں وہ بہت سخت طبیعت کے ہوجاتے ہیں، رف اینڈ ٹف ہوجاتے ہیں، ان کی طبیعت کے اندر شگفتگی نہیں رہتی، بات بات پہ غصہ کرتے ہیں، ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، گھر کے ماحول کو انھوں نے بہت زیادہ مشکل بنایا ہوتا ہے، تو یہ سب سوچ غلط فہمی ہے، اس کا تعلق طبیعت

سے ہے، شریعت سے نہیں ہے، اگر کوئی بندہ ایسا کر رہا ہے تو اپنی طبیعت کی وجہ سے کر رہا ہے، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اگر بعض لوگ ظاہر میں دینی زندگی گذارنے والے گھر کے اندر اس طرح بداخلاقی کی زندگی گزارتے ہیں تو ایسی مثالیں بھی بہت کثرت کے ساتھ ہیں کہ لوگ دین دار ہیں اور گھر کے اندر محبت و پیار کی زندگی بھی گذارتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سنئے، یہ وہ ہستی ہے کہ جنھوں نے جنت اور جہنم کو آنکھوں سے دیکھا، ان کے دل پر اللہ رب العزت کے خوف کی جو کیفیت تھی وہ کسی اور کے دل میں ہو نہیں سکتی، نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے اندر محبت و پیار کی زندگی گذارتے تھے اور اسی کی تعلیم دیتے تھے، یہ وہ ماحول تھا جب عورت کی کوئی عزت نہیں تھی، اسے پاؤں کی جوتی تھی بھی نہیں سمجھا جاتا تھا، اس کا گھر میں پیدا ہونا ہی عار سمجھا جاتا تھا، اور بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اس وقت میں محسن انسانیت اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کو تعلیمات دیں کہ گھر کے اندر محبت و پیار کی زندگی گذاریں، یہ تعلیمات انمول ہیں۔

فرمانبردار بیوی کا مقام و مرتبہ

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''الدنیا کلھا متاع و خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحہ'' کہ دنیا متاع ہے اور بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''أیما امرأۃ ماتت وَ زوجھا عنھا راض، دخلت الجنۃ'' جو عورت اس حال میں مری کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہوگئی۔ ارشاد فرمایا: ''المرأۃ اذا صلت خمسھا و صامت شھرھا و أحصنت فرجھا و أطاعت بعلھا أی زوجھا فلتدخل مِن أیِّ أبواب الجنۃ شاء ت'' جو عورت پانچ نمازیں پڑھے، روزے رکھے، اپنے ناموس کی حفاظت کرے اور خاوند کی فرمانبرداری کرے، وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گی جنت میں داخل ہو جائے گی۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یستغفر للمرأۃ المطیعۃ لزوجھا الطیر فی الھواء'' جو بیوی اپنے خاوند کی فرمانبردار ہوتی ہے اس کے لئے ہوا میں پرندے استغفار کرتے ہیں ''والحیتان فی الماء'' مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں ''والملائکۃ فی السماء'' فرشتے آسمان میں اس کے لئے استغفار کرتے ہیں ''والشمس والقمر'' حتی کہ سورج اور چاند بھی استغفار کرتے ہیں ''مادامت فی رضا زوجھا'' جب تک وہ اپنے خاوند کو خوش رکھتی ہے۔

فرمایا کہ جس بندے کو چار چیزیں مل گئیں اس کو دنیا کی سب نعمتیں مل گئیں، (۱) شکر کرنے والا دل، (۲) ذکر کرنے والی زبان، (۳) مشقت اٹھانے والا بدن (۴) اور نیک بیوی۔ اسی طرح نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ خاوند کی اطاعت کرنا عورت کے لئے اللہ رب العزت کے یہاں قبولیت کا سبب ہے۔ ایک صحابیہ نے نکاح کیا، نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**فانظری این انتِ منه فانه هو جنتک و نارک**'' دیکھنا کہ تیرا معاملہ میاں کے ساتھ کیا ہے، وہ تیری جنت یا تیری دوزخ ہے، گویا اس کو راضی کرلوگی تو جنت میں جاؤ گی، ناراض کرلوگی تو جہنم میں جاؤ گی۔ ایک حدیث پاک نبی علیہ السلام نے فرمایا: سب سے پکا مومن وہ ہے جس کا کردار اچھا ہو اور جو بیوی پر مہربان ہو۔ ایک حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: اگر غیر کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ معاذ بن جبل سے یہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''**لو تعلم المراة حق الزوج ماقعدت ماحضر غذائه و عشائه حتی یفرغ منه**'' اگر بیوی کو معلوم ہوجاتا کہ خاوند کا حق کیا ہے تو جب تک خاوند دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا نہ کھالیتا وہ ہرگز نہ بیٹھتی، کھڑی ہی رہتی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ خاوند کھانے کے لئے بیٹھے تو اس کو پانی دینا، دوسری ضروریات کی چیز پہنچانا، ان کی اہمیت اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں اتنی ہے کہ فرمایا عورت بیٹھتی ہی نہ، وہ کھڑی ہو کے انتظار کرتی کہ شاید میرے خاوند کو کسی اور چیز کی ضرورت ہو۔

گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**استوصوا بالنساء خیرا**'' وصیت فرمائی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ عورتوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔ ایک حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''**خیارکم خیارکم لنسائهم**'' تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو گھر میں عورتوں کے لئے بہتر ہے۔ انسان کی اچھائی کا اندازہ اس کے بزنس سے نہیں لگائیں گے، اس کے دوستوں کی محفل سے نہیں لگائیں گے، بلکہ دیکھیں گے کہ گھر میں اس کا طرز عمل یا رویہ کیسا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**یسروا ولا تعسروا**'' آسانیاں کرو، تنگی نہ کرو ''**وسکنوا ولاتنفروا**'' گھر کے اندر سکون کا ماحول پیدا کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ نفرتیں نہ کرو۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**خیرکم خیرکم لاهله**'' تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں اپنے ہل خانہ کے لئے بہتر ہے ''**وأناخیرکم لاهلی**'' اور میں تم میں سب

سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے لئے بہتر ہوں۔قربان جائیں اس اللہ کے محبوب ﷺ پر کہ جنھوں نے اپنی مثال دے کر بتلادیا کہ لوگو! صرف باتوں کا معاملہ نہیں، اگر میں تمہیں تعلیم دے رہا ہوں تو میں تم سب میں سے بہتر مثال بن کر زندگی بھی گذار رہا ہوں۔

حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''خیر کم ألطفکم لاھلہ'' تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ لطف کا معاملہ کرے یعنی نرمی کا معاملہ کرے۔حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: انسان جو بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے وہ بہترین صدقہ ہوتا ہے۔

آیئے حدیث پاک کے آئینہ میں دیکھیں کہ ایک خاوند کو اپنے گھر کے اندر کس طرح رہنا چاہئے۔''فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً'' اللہ کا فرمان ہے کہ تم گھر میں داخل ہو تو سلام کرو، یہ تمہارے لئے برکت والی بات ہوگی۔نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''یابنی اذا دخلت علی أھلک فسلِّم'' جب تو اپنے اہل خانہ کے پاس داخل ہو تو ان کو سلام کر ''یکون برکۃ علیک وعلی أھل بیتک'' یہ سلام کرنا تمہارے لئے اور تمہارے اہل خانہ کے لئے برکت کا سبب ہوگا۔ایک اور جگہ پہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''من دخل بیتہ بسلام فھو ضامن علی اللہ عزوجل'' کہ جو گھر میں داخل ہو کر سلام کرتا ہے وہ اللہ کی ضمانت میں آجاتا ہے۔عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام جب بھی گھر آتے تھے مسکراتے چہرے کے ساتھ داخل ہوتے تھے، اہل خانہ کو سلام فرماتے تھے۔بلکہ ابو شیخ نے جابرؓ نے روایت کی کہ ''من أدخل بیتہ سرورا'' جو بندہ اپنے گھر کے اندر خوشی کو ڈالتا ہے یعنی اہل خانہ کا دل خوش رکھتا ہے، اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کیا جاتا ہے جو اس بندہ کے لئے قیامت تک دعا کرتا رہتا ہے۔

حضور ﷺ کی گھر کے اندر کی زندگی کی ایک جھلک

ایک حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام گھر تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے۔حکمت یہ تھی کہ گھر آکر انسان اپنی اہلیہ کو ملتا ہے، ممکن ہے کہ پیار کرے، بوسہ لے، تو ایسا نہ ہو کہ منہ سے بدبو آئے۔چنانچہ شریحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے پوچھا: ''بأیِّ شیء کان یبدأ رسول اللہ ﷺ اذا دخل بیتہ'' کہ نبی علیہ السلام جب گھر تشریف لاتے تھے تو پہلا کام کیا کرتے تھے؟ ''قالت: السواک'' کہا کہ نبی علیہ السلام مسواک کرتے تھے، منہ کو صاف فرماتے تھے، منہ کو صاف کرنے کے بعد

بیوی سے محبت کا اظہار فرماتے تھے۔حتی کہ عائشہؓ تو فرماتی ہیں:''**کان رسول اللہ ﷺ یقبل احدی نسائہ وھو صائم ثم ضحکت**'' کہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے تو روزہ کی حالت میں بھی اپنی بیوی کو بوسہ دیا، پھر یہ کہہ کر وہ ہنس پڑیں۔فقہانے لکھا ہے کہ عام آدمی اس سے پرہیز کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عام آدمی کو اپنے آپ پر اتنا قابو نہیں ہوتا، ایسا نہ ہو کہ شیطان کام کو آگے بڑھادے، اور روزہ میں خلل واقع ہوجائے، اس لئے فقہاء نے احتیاط بتائی، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے سمجھا دیا کہ دیکھو بیوی کے ساتھ محبت و پیار کے ساتھ رہنے میں یہ چیز بھی رکاوٹ نہیں۔

نبی علیہ السلام اپنے گھر والوں کے ساتھ دل لگی بھی کرتے تھے، اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا: ''**کل شیء یلھو بہ الرجل المسلم باطل الا رمیہ بقوسہ**''مسلمان آدمی جو بھی لہولعب کا کام کرتا ہے وہ منع ہے سوائے چند کاموں کے، تیراندازی کرنا''**وتادیب فرسہ**'' گھوڑے کو سکھانا''**وملاعبتہ امراتہ**''اور بیوی کے ساتھ محبت و پیار کرنا''**فانھن من الحق**'' کہ یہ باتیں ٹھیک ہیں۔نبی علیہ السلام نے ایک صحابی سے پوچھا کہ تم نے نکاح کیا تو ثیبہ سے کیا یا کنواری سے کیا؟ تو جواب دیا: اے اللہ کے نبی ﷺ !میں نے ثیبہ سے کیا، فرمایا:''**ھلا تزوجت بکرا تضاحکک وتضاحکھا وتلاعبک و تلاعبھا**'' کہ تو کنواری سے کرتا کہ وہ تجھ سے ہنستی تو اس کے ساتھ ہنستا، وہ تیرے ساتھ کھیل کرتی تو اس کے ساتھ کھیل کرتا۔گویا اللہ کے حبیب ﷺ سمجھا رہے ہیں کہ مقصد ہی یہی ہے کہ انسان محبت و پیار کی زندگی گذارے۔مسلم شریف کی روایت ہے:''**ربما مدیدہ الی بعض نسائہ فی حضرۃ باقیھن**'' کہ اگرچہ بیویاں موجود ہوتی تھیں مگر آپ کبھی کبھی پیار سے کسی ایک بیوی کو ہاتھ لگالیا کرتے تھے۔پتہ چلا کہ گھر میں ٹینشن کا ماحول ہونا، سختی کا ماحول ہونا اور اس طرح بن جانا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہوئے لوگ گھبرائیں تو اس کا تعلق طبیعت کے ساتھ ہے، شریعت کے ساتھ نہیں ہے۔

نبی علیہ السلام اپنے اہل خانہ کو جب بلاتے تھے تو محبت کا لفظ بولتے تھے، نام بھی پیار سے لیتے تھے۔عائشہؓ کا نام عائشہ تھا؛ مگر نبی علیہ السلام ترخیم کے ساتھ فرماتے تھے:''**مَالکِ یاعائش**''۔ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:''**یاعائش ھذا جبرئیل یقرئک السلام**'' یہ جبرئیل ہیں اور تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔نبی علیہ السلام عائشہؓ کو حمیرا فرماتے تھے، حمیرا کا مطلب ہوتا ہے: وہ عورت جس کا چہرہ سفید بھی ہو اور سرخ بھی ہو، ہماری زبان میں اس کو Pinky بھی کہہ دیتے ہیں، عربی زبان میں احمر سے حمیرا کہتے

ہیں، تو انسان Pinky کہے، یا روزی Rosy کہے، اس قسم کا محبت بھرا نام اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنت ہے۔

پھر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لا کر فقط ایک سردار بن کر بیٹھ نہیں جاتے تھے؛ بلکہ گھر کے کاموں میں دل چسپی لیتے تھے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسودؒ نے ان سے پوچھا کہ ''**ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصنع فی اھلہ**'' نبی علیہ السلام گھر تشریف لاتے تھے تو کیا کرتے تھے؟ ''**قالت: کان فی مھنۃ أھلہ**'' فرمایا کہ وہ اپنے اہل خانہ کے کاموں میں لگے رہتے تھے ''**فاذا حضرت الصلوٰۃ قام الی الصلوٰۃ**'' نماز کا وقت آتا تھا تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام گھر تشریف لاتے تھے تو ''**ما کان الا بشرا یفلی ثوبہ و یحلب شاتہ و یخدم نفسہ**'' نبی علیہ السلام کپڑے کو صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی نکالتے تھے اور اپنے آپ کی خدمت بھی کرتے تھے، ناخن کاٹنا، مونچھیں کاٹنا، نہانا، یا اور ایسا کوئی کام جس کو پرسنل Maintenance کہتے ہیں، اس کو فرمایا: ''**یخدم نفسہ**'' عروہؓ فرماتے ہیں کہ ''**یخیط ثوبہ**'' نبیؐ اپنے کپڑے کو خود سی لیتے تھے ''**و یخصف نعلہ**'' اور اپنے جوتے کی خود مرمت فرمالیا کرتے تھے۔ یہ کائنات کے سردار ہیں، یہ فرشتوں کے سردار ہیں، یہ اللہ رب العزت کے محبوب حقیقی ہیں، اللہ رب العزت کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر کے اندر رہنا اتنا محبت و پیار والا ہے۔

آپ اہل خانہ کے ساتھ قرب کی، محبت و پیار کی زندگی گذارتے تھے، آپ نے یہ حدیث مبارک بہت سے لوگوں سے سنی ہوگی کہ نبی علیہ السلام ایک مرتبہ گھر کے اندر تھے اور دیوار سے مسجد کی طرف دیکھ رہے تھے، آپ کے ساتھ عائشہ صدیقہؓ بھی آکر کھڑی ہوگئیں، مسجد کے اندر کچھ لوگ تھے جو کھیل رہے تھے، وہ ان کو دیکھتی رہیں حتی کہ وہ تھک گئیں، اب ایک روایت تو عام ہے، لگتا ہے کہ عائشہؓ نے عام طور سے تو یہی بات سنائی؛ لیکن اندرون خانہ بات کیا تھی وہ ایک حدیث مبارک نے کھول دی، فرماتی ہیں: ''**فقام بالباب**'' نبی علیہ السلام دروازے کے پاس کھڑے تھے، ''**و جئتہ**'' میں آئی ''**فوضعت ذقنی علی عاتقہ**'' میں نے اپنی تھوڑی نبی علیہ السلام کے کندھے کے اوپر رکھ دی ''**فأسندت وجھی الی خدہ**'' پھر میں نے اپنا چہرہ نبی علیہ السلام کے رخسار کے ساتھ لگا دیا، اب معلوم یہ ہوا کہ وہ فقط کھیل نہیں دیکھ رہی تھیں بلکہ اس موقع پر وہ اپنے رخسار کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک رخسار کے ساتھ لگا کھڑی تھیں، نبی علیہ

السلام نے پوچھا: عائشہ! اب چلیں یہاں سے؟ تو عرض کیا: یارسول اللہ! ''لاتعجل'' جلدی نہ کیجئے، پھر کچھ دیر کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بس کریں؟ تو پھر فرمایا: ''لاتعجل'' جلدی نہ کریں۔ تو معلوم ہوا کہ عورت کو بھی چاہئے کہ وہ ایسے موقع ڈھونڈے کہ جس میں وہ اپنے میاں سے محبت کا اظہار کرے، دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ پیار محبت کا وقت گذرے، عورت بھی ایسا چاہے، مرد بھی ایسا کرے۔

چنانچہ ایک مرتبہ عائشہؓ پیالے میں سے پانی پی رہی تھیں، نبی علیہ السلام تشریف لائے تو فرمایا عائشہ! پانی میرے لئے بچا دینا، آپ ﷺ چاہتے تو حکم فرما دیتے، آپ کے لئے ٹھنڈے پانی کے مٹکے پہنچا دئے جاتے، مگر محبت اظہار چاہتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ! میرے لئے پانی بچا دینا، بیوی کا بچا ہوا پانی آپ کیا کریں گے، برکتیں تو اللہ کے محبوب ﷺ کے پاس تھیں، مگر یہاں محبت کا اظہار ہے، چنانچہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے بچا دیا، تو نبی علیہ السلام نے پیالا ہاتھ میں پکڑا، پھر ''فوضع فاہ علی موضع فیّ'' نبیؑ علیہ السلام نے اسی جگہ ہونٹ رکھے جس جگہ پر میں نے ہونٹ رکھے تھے..... عائشہؓ ایک مرتبہ اپنی گڑیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، پوچھا عائشہ! یہ کیا ہے؟ کہا میری بیٹیاں ہیں، اس میں ایک کے پر بنے ہوئے تھے، پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا یہ پروں والا گھوڑا ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟ تو عائشہؓ نے کہا: ہاں سلیمانؑ کے گھوڑے کے پر تھے'' فضحک حتی رأیت نواجذہ ''فرماتی ہیں نبی علیہ السلام مسکرائے حتیٰ کہ میں نے آپ کے دندان مبارک کو چمکتے ہوئے دیکھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام سفر پر جا رہے تھے، نبی علیہ السلام نے صحابہ کو آگے بھیج دیا اور خود اپنی اہلیہ کے ساتھ ذرا پیچھے رہ گئے، پھر فرمایا عائشہ آؤ دوڑیں، دونوں نے دوڑ لگائی، پہلی مرتبہ نبی علیہ السلام نے اہلیہ کو جیتنے دیا تاکہ ان کو خوشی ہو، وہ فرماتی ہیں کہ میں جیت گئی، نبی علیہ السلام مسکرائے۔ ایک دوسرے موقع پر پھر نبی علیہ السلام نے ایسا کیا، اب اس موقع پر کچھ میرا وزن بھی بڑھ گیا تھا، چنانچہ اللہ کے حبیب ﷺ آگے نکل گئے، اللہ کے نبی ﷺ نے مسکرا کے کہا: ''ھذہ بتلک'' عائشہ! یہ بدلہ ہو گیا، اس وقت تم جیتی تھیں اب میں جیتا ہوں۔ اس میں اللہ کے محبوب ﷺ کو سبق دینا تھا کہ دیکھو بیوی کے ساتھ اس طرح محبت و پیار کی زندگی گذارنے میں اپنائیت کا احساس ہوتا ہے، ہر وقت مرد کو ہی وِن (جیتنے کی) پوزیشن حاصل کرنا لازم نہیں، بیوی کو بھی کبھی کبھی وِن پوزیشن میں رکھو، کبھی کبھی اس سے ہار بھی جایا کرو! تاکہ اس کا بھی دل خوش ہو جائے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: عائشہ! تم مجھ سے خوش ہوتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھے پتہ چل جاتا ہے، پوچھا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیسے پتہ چلتا ہے؟ فرمایا خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: ''لا ورب محمد'' اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: ''لا ورب ابراھیم''۔ پھر فرماتی ہیں: ''ماھجرت الا اسمک'' اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں صرف آپ کا نام ہی لینا چھوڑتی ہوں، آپ کو تو نہیں چھوڑتی ہوں۔ سبحان اللہ!!!

گھر کے اندر کئی بیویاں رہتی تھیں تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مزاق اور محبت پیار کی زندگی گذارتی تھیں۔ سودہؓ بہت سیدھی سادی ام المومنین تھیں، اور عائشہؓ اور حفصہؓ یہ دونوں بہت زیادہ ذہین تھیں، دونوں نے پلان کیا کہ ان کے ساتھ آج مزاق کیا جائے، چنانچہ وہ جب آئیں تو ان میں سے ایک نے کہا: ''خرج الاعور'' وہ کانا نکل آیا، اب یہ ذو معنی لفظ ہے، کانا سے مراد دجال بھی ہوسکتا ہے، اور کانے سے مراد کوئی کانا بندہ بھی ہوسکتا ہے، انھوں نے اس طرح سے کہا کہ سودہؓ سمجھ بیٹھیں کہ دجال نکل آیا، وہ گھبرا گئیں، کہنے لگیں کہ میں کیا کروں، میں کہاں چھپوں؟ تو ایک ایسا خیمہ تھا جس میں مکڑی کے جالے لگے ہوئے تھے، ان دونوں نے اس طرف اشارہ کیا، چنانچہ وہ اس خیمہ میں چلی گئیں، ان کے چہرے پہ مکڑی کے جالے لگ گئے، مٹی لگ گئی، دونوں خوب ہنسیں، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو پوچھا کیا ہوا؟ وہ اتنا ہنس رہی تھیں کہ جواب بھی نہ دے سکیں، اشارے سے کہا کہ اس خیمہ کی طرف دیکھئے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تشریف لے گئے، فرمایا: سودہ! باہر نکلو، کیا ہوا؟ کہا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اعور آ گیا تو نبی علیہ السلام نے ان کو باہر نکالا اور ان کے چہرے سے مکڑی کے جالے اتارے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسکرائے۔ تو معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام نے اس سے منع نہیں کیا، یہ آپس کی محبت پیار کی باتیں ہیں، انسان جتنا محبت پیار سے رہیں اتنا اچھا ہوتا ہے۔

حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے عائشہ صدیقہؓ کو ایک ایسے مقام پر بھی قیام کروایا جو بہت پرفضا تھا، بارش اور آبشار تھے، سبزہ تھا، بلکہ وہاں لے جانے کے لئے نبی علیہ السلام نے سواری کا خصوصی انتظام فرمایا۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے عائشہ صدیقہؓ بات کر رہی تھیں، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق آ گئے ''فسمع صوت عائشة عالیا'' انھوں نے دیکھا کہ عائشہؓ کی آواز بات کرتے ہوئے تھوڑی سی بلند ہے ''فأھوی الیھا أبو بکر لیلطمھا'' چونکہ وہ ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں تو وہ ذرا آگے ہوئے کہ عائشہ کو ایک تھپڑ لگائیں، ''فامسکه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نبی علیہ السلام نے ان کو پکڑ لیا، فرمایا ابوبکر جاؤ،

ہم اپنا معاملہ خود طے کرلیں گے ''فخرج أبو بکر مغضبا'' ابوبکرؓ بڑے غصے میں باہر گئے کہ عائشہ کو جرأت کیسے ہوئی کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس انداز میں بات کرے، جب وہ چلے گئے تو نبی علیہ السلام نے مسکرا کر عائشہؓ کو دیکھا، فرمایا: ''یاعائشة! کیف رأیتنی أنقذتُکِ من الرجل'' دیکھا میں نے تمہیں بڑے میاں سے کیسے بچایا، ورنہ تو تمہیں آج تھپڑ لگ ہی جاتا۔ یہ وہ پیار ہے جو زندگی کے اندر رنگ بھر دیا کرتا ہے۔

عائشہؓ کے گھر میں ہوتے ہوئے اگر کوئی اور بیوی کھانا بھیج دیتیں تو فرماتی ہیں کہ مجھے بڑی غیرت آتی تھی کہ میرے گھر میں میری باری کے دن میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کا پکایا ہوا کھانا کھائیں، تو ایک مرتبہ لانے والے کے ہاتھ کو جو میں نے زور سے پکڑا تو پیالہ ٹوٹ گیا، نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''غارت أمکم'' تمہاری ماں کو غیرت آ گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی علیہ السلام بات کا بتنگڑ نہیں بناتے تھے، ذرا غور کریں، آج اگر کوئی چیز لے کے آئے اور بیوی اس کے ہاتھ مار کر اس کا پیالہ توڑ دے تو خاوند تو آسمان سر پہ اٹھالے گا، بات کا بتنگڑ بنالے گا کہ ایسی بدتمیز ہے اور ایسی بری ہے اور ایسی گندی ہے؛ مگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنی بات فرمائی کہ دیکھو تمہاری ماں کو غیرت آ گئی۔

صفیہؓ بہت پیارا اور لذیذ کھانا بناتی تھیں، عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ''ما رأیت صانعة طعام مثل صفیة'' میں نے صفیہ جیسا بندہ نہیں دیکھا جو کھانا بہترین بناتا ہو۔ ایک مرتبہ میری باری کے دن میں انھوں نے کچھ بھیجا، تو مجھ سے وہ لیتے ہوئے ان کا برتن گر کے ٹوٹ گیا، میں نے پوچھا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اب اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: ''اناء کاناء و طعام کطعام'' ۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ باتیں جس سطح کی ہوتی ہیں اتنی ہی رکھنی چاہئے اور دوسرے بندے کے جذبات واحساسات کا لحاظ کرنا چاہئے۔

رات میں نبی علیہ السلام بہت آرام سے اٹھتے تھے اور نرم انداز سے پاؤں اٹھاتے ہوئے بغیر جوتا پہنے ہوئے مصلّے پہ آجاتے تھے، عائشہؓ کے ساتھ ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا، وہ فرماتی ہیں کہ میں اٹھی، میری آنکھ کھلی تو نبی علیہ السلام بالکل قریب نہیں تھے، میں نے ذرا ہاتھ بڑھایا ''فأدخلت یدی فی شعرہ'' میرے ہاتھ نبی علیہ السلام کے مبارک بالوں میں جا کر پڑے ''فقال'' نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''عائشة! قدجائکِ شیطانکِ'' تمہارا شیطان آ گیا، یعنی تمہیں شک پڑ گیا کہ میں اٹھ کے کہیں چلا گیا ہوں''

فقلت ''فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: ''أمالک شیطان'' اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ کے ساتھ بھی تو شیطان ہے ''قال: بلیٰ'' ہاں ''ولکن اللہ أعاننی علیه فأسلم'' اللہ نے میرے ساتھ مدد فرمائی اور میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے۔ اب ذرا غور کیجئے کہ یہ کتنی عجیبی بات تھی، اگر اس بات پہ اللہ کے حبیب ﷺ غصہ فرماتے، سزا دیتے تو جائز تھا، انھوں نے یہ کیسے کہہ دیا کہ آپ کے ساتھ بھی تو شیطان ہے؛ لیکن نبی علیہ السلام نے معاملہ کو اتنا آسان کر دیا اور پیار سے سمجھا دیا کہ ہے تو سہی مگر میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب آپس میں گھر میں میاں بیوی کھانا کھائیں تو اکٹھے کھائیں، فرمایا: ''انک لن تنفق نفقة تبتغی به وجه اللہ الا اُجرت علیها'' تو اللہ کے راستے میں جو خرچ کرتا ہے تجھے اجر ملتا ہے ''حتی ماتجعل فی فم امرئتک'' حتی کہ بیوی کے منہ میں جو لقمہ تم ڈالتے ہو اللہ تعالی اس پر بھی تجھے اجر عطا فرماتے ہیں۔

میاں بیوی کے میل ملاپ سے متعلق تعلیمات:

میاں بیوی کے میل ملاپ کے بارے میں بھی اللہ کے حبیب ﷺ نے بہت تعلیمات دیں۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس میں رہبر انسانیت نے رہنمائی نہ فرمائی ہو۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا، جس کا مفہوم ہے کہ بیوی سے ملنا ہو تو قاصد بھیجا کرو، پوچھا گیا اے اللہ کے حبیب ﷺ! قاصد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا بوسہ، جب تم بوسہ لوگے تو بیوی کو اندازہ ہوجائے گا کہ میرا خاوند قریب ہونا چاہتا ہے، وہ ذہنی طور پہ اس کے لئے تیار ہوجائے گی۔ پھر فرمایا کہ جب میاں بیوی آپس میں ملیں تو خاوند کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کی فراغت کا بھی انتظار کرے۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور اللہ کے حبیب ﷺ کئی مرتبہ ایک برتن سے دونوں اکٹھے نہایا کرتے تھے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام میرے ساتھ آرام فرماتے تھے حتی کہ میں کئی مرتبہ ایام کی حالت میں ہوتی تھی۔ میمونہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام میرے بستر پہ تشریف لائے، میرے ایام کے دن تھے، آپ ﷺ میرے ساتھ اس طرح لپٹ کر سوئے کہ ''بینی و بینه ثوب'' میرے اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف ایک کپڑا تھا۔ علماء نے لکھا ہے: ''نوم الزوج مع زوجته فی فراش واحد أفضل من نوم کل فی فراشه'' کہ مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ اکٹھا ایک ہی بستر پر سونا افضل ہے الگ الگ سونے سے۔ ''اذا القصد الانس لا الجماع'' اگرچہ قرب مقصد نہ ہو بلکہ اس کے دل کو خوش کرنا مقصد ہو۔ پتہ

چلا کہ بیوی کے دل کو خوش کرنے کے لئے ایام کے دنوں میں بھی اس کے قریب ہو جانا یہ بھی نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ٹھنڈ کا موسم تھا، نبی علیہ السلام تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ مجھے لیٹنا ہے، تو میں نے اپنی ران آگے کر دی، جب میں نے اپنی ران آگے کی ''**فوضع خدَہ و صدَرہ علی فخذی**'' نبی علیہ السلام نے اپنا سر مبارک میری ران پر رکھ دیا، یعنی ام المومنینؓ کی گود میں سر رکھ کر نبی علیہ السلام سو گئے ۔اس میں بھی تعلیم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو تکیہ پر سر رکھ لیتے، مگر محبت اظہار چاہتی ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتانا چاہتے تھے کہ دیکھو گھر میں تم اس طرح محبت سے رہو۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی گود میں سر رکھا تو فرماتی ہیں: ''**وحنیت علیہ**'' میں بھی نبی علیہ السلام کے اوپر جھک گئی، اب یہ لفظ گہرا ہے، اس کا مطلب میاں بیوی سمجھ سکتے ہیں کہ خاوند بیوی کی گود میں سر رکھ کے سویا، بیوی کہتی ہے کہ میں بھی نبی علیہ السلام کے اوپر جھک گئی ''**حتی دفِیٔ**'' حتی کہ نبی علیہ السلام کا جسم گرم ہو گیا ''**ونام**'' پھر نبی علیہ السلام آرام سے سو گئے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو مرد اپنی بیوی کے ساتھ اکٹھا ہوتا ہے اجر ملتا ہے، صحابہ حیران ہو گئے ''**أیاتی أحدُنا شھوتَہ و یُؤجَر**'' اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اپنی شہوت کا تقاضا پورا کرتے ہیں تو اس پر بھی اجر ملتا ہے؟ فرمایا: ہاں، اگر تم حرام طریقے سے پورا کرتے تو گناہ ہوتا، اب تم نے اگر حلال معاملہ کیا تو اس پر اجر بھی ملنا چاہئے۔

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ عائشہؓ سے پوچھا: ''**أخبرینا بأعجب ما رأیتہ من رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ام المومنین! آپ نبی علیہ السلام کی کوئی بہت عجیب بات سنایئے ''**فبکت**'' وہ رونے لگ گئیں ''**وقالت**'' اور کہنے لگیں: ''**کل أمرہ کان عجیبا**'' سبحان اللہ! میرے محبوب کا ہر کام عجیب تھا۔ پتہ چلا کہ بیوی کے دل میں ایسی محبت آجائے کہ خاوند کا تذکرہ ہو تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئیں اور وہ یہ کہے کہ میرے میاں کی تو ہر بات عجیب تھی، ہر بات میں محبت تھی، ہر بات میں پیار تھا، اپنائیت تھی۔ پھر فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام میرے ساتھ میرے بستر پر لیٹے ہوئے تھے ''**قال ذرینی اتعبّد ربی عز وجل**'' چھوڑ عائشہ! میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، یعنی تہجد کے لئے اٹھتا ہوں، ''**قالت: فقلت**'' میں نے کہا: ''**واللہ انی لأُحب قربک**'' اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کا قرب چاہتی ہوں ''**وانی احب ان تعبد ربک**'' اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ اللہ کی عبادت بھی

کریں۔تو معلوم ہوا کہ بیوی کو بھی اپنی زبان سے اس کا اقرار چاہئے کہ میں آپ کا قرب چاہتی ہوں، محبت چاہتی ہوں۔عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ شاید زبان کھولنے سے ہمارا درجہ گھٹ جائے گا اور خاوند کی نظر میں ہماری قیمت گھٹ جائے گی، مقام گر جائے گا۔یہ پرلے درجہ کی بیوقوفی ہوتی ہے، محبت کا اظہار کرنے سے خاوند کے دل میں محبت بڑھتی ہے، تو فقط خاوند ہی اظہار نہ کرے، بیوی بھی اظہار کرے تا کہ دونوں میں محبت اور زیادہ بڑھے۔

گھریلو مسائل کو کس طرح حل کریں؟

نبی علیہ السلام گھر کے اندر الجھے مسئلوں کو بھی سلجھایا کرتے تھے اور ازواج مطہرات کو تعلیم و تربیت بھی دیا کرتے تھے۔چنانچہ بعض ایسے واقعات بھی ازواج مطہرات سے ہوئے کہ جو عام حالات میں ذرا سمجھنے مشکل ہیں، مگر اللہ نے وہ واقعات اس لئے کروائے تا کہ آنے والے وقت میں عورتوں کو سمجھ آجائے کہ اگر گھر میں ایسے معاملات ہوں تو ان کو کیسے Sort out (حَل) کرنا ہوتا ہے، بیوی کو کیسے پیار سے سمجھانا ہوتا ہے، بتانا ہوتا ہے۔چنانچہ صفیہؓ کے سفر میں سواری بہت سست تھی، وہ پیچھے رہ جاتی تھیں، رونے لگ گئیں، نبی علیہ السلام کو پیار آیا، آپ نے ان کو تسلی دی، دلاسہ دلایا، وہ دلاسہ دلانا ان کو اچھا لگا، فرماتی ہیں میں اور روئی، نبی علیہ السلام نے اور پیار کیا، میں اور روئی، جب میں زیادہ روئی تو نبی علیہ السلام نے خاموشی اختیار کی، میں نے محسوس کیا کہ نبی علیہ السلام نے اس کا برا منایا، میں سوچنے لگ گئی کہ میں اللہ کے حبیب ﷺ کو خوش کیسے کر سکتی ہوں، میرے دل میں خیال آیا کہ میں عائشہ کے ذمہ لگاتی ہوں کہ وہ اللہ کے حبیب ﷺ کو مجھ سے خوش کر دیں گی، چنانچہ وہ عائشہؓ کے پاس آئیں، کہنے لگیں کہ آج میری باری کی رات ہے، مجھے اللہ کے حبیب ﷺ کے خیمہ میں حاضری دینی ہے، تو آپ اللہ کے محبوب ﷺ کا دل خوش کر دیں، عائشہؓ خوش ہوگئیں، فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے دوپٹے کے اوپر خوشبو لگائی اور عشاء کے بعد میں نے اپنا دوپٹہ لیا اور محبوب ﷺ کے خیمہ کا کپڑا اٹھا کر اندر جھانکا، نبی علیہ السلام نے کہا عائشہ! تمہاری باری تو نہیں، کسی اور کی ہے، میں نے کہا: ''ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء'' یہ اللہ کا فضل ہے جس پر چاہتے ہیں فرما دیتے ہیں۔

نبی علیہ السلام نے زینبؓ کی سواری صفیہؓ کو دی تو انھوں نے کہہ دیا کہ ایک یہودیہ کو کیوں میری سواری دے دی؟ تو نبی علیہ السلام نے تین مہینے خاموشی اختیار کی، صرف ان کو یہ سمجھانے کے لئے کہ کسی کو

پچھلا طعنہ دینا یہ ایک ناپسندیدہ بات ہوتی ہے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے بستر پہ جاگی، نبی علیہ السلام بستر پر نہیں تھے، تو میں نبی علیہ السلام کے پیچھے پیچھے گئی، نبی علیہ السلام بقیع تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وہاں دعا کر کے فارغ ہو گئے تو میں جلدی سے بھاگ کے آئی اور آ کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ نبی علیہ السلام آئے تو آپ نے پوچھا عائشہ! تم میرے پیچھے آئی تھیں؟ میں نے کہا: جی، "**فلهدني لهدةً في صدري أوجعني**" نبی علیہ السلام نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جو مجھے محسوس ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا کہ دیکھو عائشہ میرے پاس جبرئیل آئے تھے، تم لیٹی ہوئی تھیں، تمہارے سر پہ کپڑا نہیں تھا، تو جبرئیل پردہ میں تھے، ظاہر نہیں ہو رہے تھے اور میں نے تمہیں اس لئے نہ جگایا کہ تمہاری نیند خراب نہ ہو، لہٰذا میں خود اٹھ کے باہر چلا گیا، جبرئیل نے کہا کہ اللہ کی طرف سے حکم ہے کہ اہل بقیع کے لئے جا کر دعا کریں، میں بقیع میں گیا اور ان کے لئے جا کر میں نے دعا کی اور استغفار کیا۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ بیوی کے کسی کام پر فوراً ڈانٹنا شروع کر دینا اور اس پر غصہ ہو جانا یہ طریقہ صحیح نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کو صحیح واقعہ وضاحت کے ساتھ بتا دینا چاہئے تاکہ غلط فہمی دور ہو جائے۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام ایک مرتبہ میرے ساتھ تھے، زینبؓ آئیں اور میرے ساتھ کچھ غصے میں باتیں کرنے لگیں، میں نبی علیہ السلام کی طرف دیکھنے لگی کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے بات کرنے کی اجازت دیں، فرمایا: "**دونکِ فانتصري**" عائشہ! اپنا دفاع خود کرو، میں نے آگے سے جواب دیا تو زینب کا منہ خشک ہو گیا، وہ میری بات کا جواب نہ دے سکیں، میں نے نبی علیہ السلام کی طرف دیکھا "**يتهلل وجهه**" محبوب کا چہرہ چمک رہا تھا۔ پتہ چلا کہ خاوند کو چاہئے کہ وہ گھر کے معاملات میں عام لیول کے اوپر جس طرح ایک دوسرے کے معاملات سلجھاتے ہیں اس طرح سلجھانے چاہئیں۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی علیہ السلام اس طرح تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پاؤں مبارک میری گود میں تھا، دوسرا پاؤں مبارک سودہؓ کی گود میں تھا، تو کھانے کی کوئی چیز تھی جو سودہؓ نے بنوائی تھی، مجھے کہنے لگی تم کھاؤ، مجھے وہ اچھا نہ لگا، میں نے تھوڑی سی وہ چیز لے کر سودہؓ کے چہرے پر لگا دی، انھوں نے بھی وہ چیز لے کر میرے چہرہ پر لگا دی، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور کہنے لگے دونوں اٹھو، اور اپنے چہروں کو دھو لو، معلوم ہوا کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ازواج مطہرات اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ الفت و محبت کے معاملات کر لیا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ حفصہؓ نے صفیہؓ کو کہہ دیا: ''ابنۃ یھودی'' او یہودی کی بیٹی، تو وہ رونے لگ گئیں، نبی علیہ السلام نے پوچھا: صفیہ کیوں روتی ہو؟ عرض کیا کہ انھوں نے مجھے کہا کہ تم یہودی کی بیٹی ہو، ''قال'' نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''انکِ لابنۃ نبی'' تم تو نبی کی بیٹی ہو ''وان عمّک نبی'' اور تمہارے چچا نبی تھے ''وانک لتحت نبی'' اور تم تو ایک نبی کی بیوی بھی ہو ''فبماتفخر علیک حفصۃ'' پھر حفصہ کیسے تمہارے اوپر فخر کرتی ہیں، ان کو تو یوں تسلی دی، اور پھر حفصہؓ کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا: ''اتّقی اللہ یاحفصۃ'' حفصہ! اللہ سے ڈرو، طعنہ دینا اچھا نہیں ہوتا۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے کتنے محبت پیار سے دونوں کو مطمئن کر دیا۔ اس لئے مرد کو چاہئے کہ محبت سے رہے، عورت کو چاہئے کہ وہ بھی اس محبت کا ماحول بنانے میں پوری طرح اپنا حصہ لے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: اگر کسی وجہ سے خاوند ناراض ہو گیا تو جنتی عورت وہ ہوتی ہے جو خاوند کا ہاتھ پکڑ کر کہے: اللہ کی قسم میں نہیں سوؤں گی جب تک کہ تم مجھ سے راضی نہیں ہو جاؤ گے۔ آج تو خاوند ذرا ناراض ہوتا ہے تو آگے سے بیوی بھی منہ پھلا لیتی ہے، پھر بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے، گھر کے اندر ایک جھگڑا شروع ہو جاتا ہے، کاش کہ اس سنت پر آج کی عورتیں عمل کر لیتیں تو جنتی کہلاتیں اور یہ کھینچا تانی نہیں ہوتی؛ بلکہ اگر خاوند ناراض ہو تو بیوی محبت پیار سے منا لے۔ اور منانے کا کتنا پیارا طریقہ نبی علیہ السلام نے سکھایا، فرمایا: جنتی عورت وہ ہوتی ہے کہ خاوند کا ہاتھ پکڑ کر کہے: اللہ کی قسم میں نہیں سوؤں گی جب تک کہ آپ کو راضی نہیں کر لوں گی۔

نبی علیہ السلام بعض معاملات میں اہل خانہ سے مشورہ بھی فرماتے تھے، چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر جب نبی علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے احرام کھول لو تو صحابہ حیرت میں پڑ گئے تھے کہ ہم آئے تھے عمرہ کی نیت سے، عمرہ کئے بغیر احرام کھول کے کیسے چلے جائیں؟ نبی علیہ السلام خیمہ میں تشریف لائے، ام سلمہؓ نے پوچھا اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ پریشان کیوں ہیں؟ آپ ﷺ نے صورت حال بتائی، انھوں نے کہا یہ سب آپ کے عاشق صادق ہیں، حیران ہیں کہ کیسے ہم بغیر عمرہ کئے ہوئے احرام کھول دیں، اے نبی ﷺ! آپ جایئے اپنے جانور کو قربان کیجئے، جو کچھ آپ کریں گے یہ عاشق صادق سب وہی کچھ کریں گے، نبی علیہ السلام نے مشورہ قبول فرمایا، باہر نکل کر جانور ذبح کیا، جب صحابہ نے دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے اپنے جانور ذبح کئے، احرام کھول دئے اور واپسی کے لئے تیار ہو گئے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی غلطی کوتاہی بھی ہوجائے تو خاوند کو چاہئے کہ مار پیٹ سے باز آئے۔حدیث مبارک ہے: ''لاتضربوا اِماء اللّٰہ'' اللہ کی بندیوں کو مارا نہ کرو، مارنا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔علماء نے لکھا ہے: ''ان العدوان لایحبه حتی الحیوان'' دشمنی کو تو حیوان بھی پسند نہیں کرتے، انسان تو پھر انسان ہوتا ہے۔نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''لایجلد أحدکم امرأته جلد العبد ثم یجامعها فی آخر الیوم'' تمہیں چاہئے کہ تم میں سے کوئی اپنے غلام کے مانند اپنی بیوی کو نہ مارے پھر دن کے آخر میں اس کے ساتھ اکٹھا بھی ہو۔اس لئے حاکم نے یہ روایت کی ہے نبی علیہ السلام نے پوری زندگی اپنی کسی بیوی کے اوپر ہاتھ نہیں اٹھایا، حتی کہ اگر بیوی نافرمانی کرتی ہے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ اس سے اللہ ناراض ہوتے ہیں۔

نافرمان بیوی کا انجام

فرمایا: ''ایما امرأة عصت زوجها'' جو عورت اپنے خاوند کو ناراض کرلیتی ہے'' فعلیها لعنة اللّٰہ'' اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے'' والملائکة'' اور فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے'' والناس أجمعین'' اور تمام انسانوں کی لعنت ہوتی ہے۔اب جس سمجھدار عورت کو یہ پتہ چل جائے کہ خاوند کی نافرمانی کرنے پر میرے اوپر اللہ کی اور ملائکہ کی اور سب انسانوں کی لعنت ہوگی وہ کیسے نافرمانی کرسکتی ہے۔نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''ایما امرأة خرجت من دارها بغیر اذن زوجها فهی فی سخط اللّٰہ'' کہ جو عورت اپنے گھر سے بغیر مرد کی اجازت کے نکل جاتی ہے اللہ کے غصے میں ہوتی ہے'' حتی تضاحکه وتسترضیه'' جب تک کہ خاوند کو خوش نہ کردے اور اس کا خاوند مسکرا نہ پڑے۔

فرمایا: بیوی خاوند کو ناراض کرتی ہے تو جنت میں حورعین کہتی ہے: مہمان کو ناراض نہ کرو ''یوشک ان یفارقک الینا'' ممکن ہے کہ یہ جلدی تم سے جدا ہو کے ہمارے پاس آجائے۔نبی علیہ السلام نے فرمایا: تین لوگوں کا عمل غیر مقبول ہوتا ہے، (۱) جو غلام بھاگ جائے (۲) جس بیوی کا خاوند اس سے ناراض ہو (۳) شرابی جو شراب کے نشہ میں بدمست ہوجائے۔نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ خاوند کو چاہئے کہ بیوی کے ساتھ درگذر کا معاملہ کرے، عورتیں اگر ناقصات العقل ہیں تو فرمایا تم تو کامل العقل ہو، تم تو اس کے ساتھ درگذر کا معاملہ کرو۔فرمایا: ''لاخیر فی نساء'' عورتوں میں کوئی خیر نہیں ہوتا'' ولاصبر عنهن'' ان کے بغیر صبر بھی نہیں ہوتا ہے'' یغلبن کریما'' جو نرم ہوتا ہے یہ اس پر غالب آجاتی ہیں'' ویغلبهن لئیم''

جو سخت طبیعت کا ہوتا ہے وہ ان کے اوپر غالب ہوتا ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''وأحب أن أکون کریما مغلوبا'' میں چاہتا ہوں کہ میں نرم مزاج رہوں اگرچہ مغلوب ہوجاؤں ''ولا احب ان اکون لئیما غالبا'' میں نہیں چاہتا کہ میں سخت طبیعت کا بن کر غالب آجاؤں۔ سبحان اللہ! اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا انوکھی بات سنائی کہ گھر کے اندر بندے کو کتنا رحیم وکریم ہونا چاہئے ع

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

اگر یاروں کا حلقہ ہو تو ریشم کی طرح نرم ہونا چاہئے، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلادیا کہ گھر والوں کے ساتھ اس طرح ریشم کی طرح محبت و پیار سے بن کر رہنا چاہئے۔

بیوی کی طرف سے تکلیف پہنچنے پر صبر کا انعام

اگر بیوی خاوند کو تکلیف پہنچائے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اس پر صبر کروگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، فرمایا: ''ایما رجل صبر علی سوء خلق امرأته'' اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے برے اخلاق پر صبر کرلیتا ہے، وہ چڑچڑے مزاج کی ہے، یا زیادہ بولتی ہے، ''اعطاه الله الاجر'' اللہ اس خاوند کو اجر عطا فرماتے ہیں ''علی مثل ما اعطیٰ ایوب علیہ السلام علی بلائه'' جس طرح ایوب علیہ السلام کو اللہ نے بیماری کے اوپر صبر کرنے کا اجر عطا کیا تھا۔ خاوند کو بیوی کی ناپسندیدہ بات پر صبر کرنے کے لئے اتنے اجر کا وعدہ فرمادیا۔ اور ایک حدیث پاک میں فرمایا: ''ایما امراة صبر علی خلق زوجها'' جو بیوی اپنے خاوند کے برے اخلاق کے اوپر صبر کرلیتی ہے، ''أعطاه الله من الأجر مثل ما أعطی آسیةَ بنت مزاحم زوجة فرعون'' اللہ تعالیٰ اس کو اتنا صبر کا اجر عطا کرتا ہے جو آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی کو اجر عطا کیا تھا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تمہیں بیوی کی کوئی بات ناپسند آئے تو غور کرو تمہیں اس میں بہت سی پسندیدہ باتیں مل جائیں گی۔ یہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوبصورت بات کہی ہے، انسان انسان ہے، فرشتہ تو نہیں ہے، کوئی نہ کوئی غلطی کوتاہی ہوتی ہے، کمزوری ہوتی ہے، فرمایا کہ ایک بات کو وجہ بنا کر سزا نہ دو، اپنے سے دور نہ کرو؛ بلکہ اگر ایک بات تمہیں بری لگے تو اس کی بہت باتیں تمہیں اچھی بھی تو لگتی ہیں۔

جب نبی علیہ السلام نے یہ تعلیمات دیں تو آپ کے یاروں نے اس کے اوپر عمل کر کے دکھادیا۔ چنانچہ عمرؓ اپنی طبیعت کی وجہ سے تو سخت مزاج کے تھے، مگر اہل خانہ کے ساتھ بہت محبت سے رہتے تھے، ایک شخص اپنی بیوی کے معاملہ سے بہت دکھی تھا اور چاہتا تھا کہ مجھے اجازت ملے اور میں بیوی کے

اوپر چار جوتے لگادوں، وہ عمرؓ کے پاس آیا ''یشکو زوجتہ'' اپنی بیوی کی بداخلاقی کی شکایت کرنے کے لئے، عمرؓ نے فرمایا: میری بیوی کو دیکھو ''انھا طباخة لطعامی'' یہ میرے کھانے پکانے والی خانساماں کی مانند ہے، ''خبازة لخبزی'' میری روٹی بنانے والی دایہ کے مانند ہے ''غسالة لثیابی'' میرے کپڑے دھونے والی دھوبن ہے ''مرضعة لولدی'' میرے بچوں کو دودھ پلانے والی دایہ کے مانند ہے؛ حالانکہ یہ سب چیزیں عورت کے اوپر فرض تو نہیں ہوتیں، وہ تو خاوند کی محبت میں سب کام کررہی ہوتی ہے، فرمایا ''ویسکن قلبی بھاعن الحرام'' وہ میرے دل کو سکون دیتی ہے میں حرام کام سے بچ جاتا ہوں، ''فأحتملھالذلک'' تو میں بھی اس کی ان باتوں کو برداشت کرلیتا ہوں۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے نبی علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرکے دکھادیا کہ دیکھو اگر ایک بات ناپسندیدہ ہو تو کچھ باتیں اچھی بھی ہوتی ہیں۔

ہم اپنے گھروں کے اندر عفوودرگذر کے ساتھ، حسن خلق کے ساتھ، محبت و پیار کے ساتھ زندگی گذاریں، تو دنیا کی زندگی بھی جنت کا نمونہ بنے گی اور آخرت میں اللہ کے یہاں کامیابی بھی نصیب ہوگی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: خاوند جب بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا خوبصورت اصول بتادیا، اگر مسکراہٹوں سے اللہ خوش ہوتے ہیں تو آج سے یہ عہد کرلیجئے کہ ہم گھروں میں مسکراہٹیں بکھیریں گے، اللہ کی عبادت کریں گے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن خلق کا معاملہ کریں گے، اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کی ان تعلیمات کے مطابق ہمیں گھروں میں محبت و پیار کی زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ نبی علیہ السلام کی ان تمام احادیث کو سامنے رکھ کر اب ذرا کوئی بتائے کہ سختی کہاں نظر آتی ہے؟ درشتی کہاں نظر آتی ہے؟ اللہ کے محبوب ﷺ تو ریشم کی طرح نرم بن کے زندگی گذارنے والے تھے، اللہ تعالیٰ ایسا خاوند ہر بیوی کو عطا کرے اور اللہ تعالیٰ ہر مرد کو ایسا خاوند بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆

مولانا احمد عبدالمجیب قاسمی ندوی

دینی مدارس کا نصاب تعلیم
حضرت نانوتویؒ کا نقطۂ نظر

[تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند، (نئی دہلی) کے زیر اہتمام مئی ۲۰۰۰ء میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عظیم شخصیت پر ایک سمینار کا انعقاد ہوا تھا، جس میں متعدد اہل علم ونظر نے اپنے مقالات اور خطابات و پیغامات کے ذریعہ ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی تھی، بعد میں اُن سب کا مجموعہ ''الامام محمد قاسم نانوتویؒ، حیات، افکار، خدمات'' کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔ ذیل میں آپ جو مضمون ملاحظہ فرمائیں گے وہ اسی سے ماخوذ ہے۔ ——— مدیر]

دینی مدارس، اشاعت علم اور حفاظت دین کے مراکز ہیں، اسلامی افکار اور دینی اقدار کے احیاء و بقاء میں ان درسگاہوں اور اُن کے بلند نگاہ فضلاء اور علماء نے جو بے مثال کردار ادا کیا ہے، وہ ایک ایسی حقیقت ہے جو نگاہِ انصاف کے لئے مہر نیم روز سے کم نہیں، ان مدارس کا بنیادی مقصد دینی علوم کی اشاعت اور اسلامی اخلاق واقدار کے حامل، صالح معاشرہ اور سماج کی تشکیل ہے، اس حقیقت سے سبھی واقف ہیں کہ اسلام کا رشتہ علم سے بہت گہرا اور مضبوط ہے، قرآن مجید کی سب سے پہلی وحی اسی نسبت سے نازل ہوئی اور اس نے ظلمت وجہالت سے بھری دنیا میں علم کی اہمیت کو واضح کیا، اور اس علم کے مراکز چونکہ دینی مدارس ہیں، علوم نبوی کی میراث یہیں سے تقسیم ہوتی ہے اور دین وشریعت کی رہنمائی انہیں درسگاہوں سے ملتی ہے، اس لئے علم اور تعلیم کی نسبت سے ان مدارس سے ربط وتعلق اور ان کے تعلیمی وفکری سفر سے واقفیت، ہماری

دینی وعلمی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔

کسی بھی دانش گاہ کے لئے نظام تعلیم وتربیت کے ساتھ نصاب تعلیم کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اسی لئے ہر زمانہ میں تعلیم سے وابستہ افراد اور تعلیمی اداروں نے اس پہلو پر خصوصی توجہ دی ہے اور اس کی اثر انگیزی، زمانہ اور حالات کے تقاضوں سے اس کی ہم آہنگی اور فعالیت کا جائزہ لیا جاتا رہا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ نظامِ تعلیم میں نصابِ تعلیم کے علاوہ اساتذہ کے طریق تدریس اور درسگاہ کے عمومی تعلیمی وتربیتی ماحول کو بڑی اہمیت حاصل ہے، تاہم اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ نصاب تعلیم سے علمی وفکری جہت متعین ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ مختلف علوم وفنون میں طلبہ کی صلاحیتوں کو علمی وتحقیقی رُخ دیا جاسکتا ہے۔

نصاب تعلیم کا تعلق صرف درسگاہ اور اس میں پڑھنے پڑھانے والوں سے نہیں، بلکہ اس کا ربط اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں دواں اور ہر آن تغیر پذیر ہے، اور زندگی کے ان تقاضوں سے ہے جو حالات اور زمانہ کے زیر اثر بدلتے رہتے ہیں، انبیائی دعوت اور پیغمبرانہ معجزات میں بھی زمانہ کے تقاضوں کی بھرپور رعایت ہوتی ہے، غور کیجئے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں سحر اور جادوگری کا فن عروج پر تھا، اسی مناسبت سے ''عصاء موسوی'' کو معجزانہ حیثیت حاصل ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں طب وعلاج اور میڈیکل سائنس ترقی پذیر تھی، اسی لحاظ سے حضرت عیسیٰؑ کو مطابق حال وزمانہ وہ معجزات دئے گئے جن میں آیت ربانی کا ظہور ہوا۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں زبان وقلم اور عربوں کی فصاحت وبلاغت کا غلبہ تھا، چنانچہ ''قرآن مبین'' کو ''عربی مبین'' میں اتارا گیا، اور دنیا قرآن مجید کے علمی ومعنوی اعجاز اور اس کے کلام وبلاغت کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہی، بلکہ حقیقت پسند عربوں نے تو اعتراف بھی کیا کہ: ''ماھٰذاقول البشر'' یہ انسانی کلام نہیں، ربانی کلام ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ پیغمبروں کی دعوت میں بھی حالات زمانہ کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوم کی مزاجی خصوصیات، نفسیات اور عادات واطوار کو سامنے رکھ کر گفتگو کرتے ہیں اور قرآن مجید میں اس کی بہ کثرت مثالیں ملتی ہیں۔ یہ وہ حقائق ہیں جن سے ہر وہ شخص واقف ہے جو نبیوں کی دعوت کے اسلوب سے واقفیت رکھتا ہو، ایک طرف نبی کا رشتہ اپنے رب سے ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کی نگاہ زمانے کے احوال پر ہوتی ہے، وہ وقت کے تیور کو پہچانتا اور حالات کی نبض تھامتا ہے اور اپنی نگاہ حق شناس اور دل حکمت آشنا سے عصری تقاضوں کو محسوس کرتا ہے، پھر اپنی قوم کے سامنے ''علم الٰہی'' کی وہ قیمتی متاع رکھتا ہے جس سے قوم اپنے درد دل کا علاج اور

اپنی ضروریات کا نسخۂ کیمیاء پائے، انبیائی دعوت کے اس تذکرے سے مقصود یہ ہے کہ ہماری درسگاہیں جب علوم نبوی کی محافظ وامین ہیں اور علماء میراث نبوت کے وارث ہیں، تو ان درسگاہوں کو بھی پیغمبروں ہی کی طرح اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ اور ان سے وابستہ علماء کو زمانہ شناس اور روشن دماغ ہونا چاہئے۔

نصاب تعلیم کی اہمیت وافادیت اور اس میں تقاضائے زمانہ کی رعایت پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا:

''نصاب تعلیم کے سلسلہ میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں، آغاز اسلام سے لے کر اس وقت تک نظام تعلیم پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ منہاج تدریس وتعلیم میں وقت کے تقاضوں اور زمانہ کی ضرورتوں کا ہمیشہ لحاظ رکھا گیا ہے، علماء سلف وقت کے سب سے بڑے نبض شناس تھے، ہر زمانہ میں اسلام کی خدمت اور امت محمدیہ کے فلاح دارین کے پیش نظر انھوں نے اپنے نصاب تعلیم میں تغیر وترمیم کی، خود رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، کیونکہ یہودیوں، عیسائیوں اور دوسری غیر مسلم قوموں سے مراسلات اور معاہدوں کے سلسلہ میں عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان اور دوسرے رسم الخط جاننے کی ضرورت پڑتی تھی، آپ ﷺ نے ایک مرتبہ خطوط و معاہدوں کے باب میں عیسائیوں اور یہود کے متعلق خطرہ ظاہر فرمایا کہ یہ کہیں ان میں تغیر وتبدل نہ کردیں، اسی طرح تورات کے ایک حکم کو ایک یہودی عالم نے آپ کے سامنے اپنے ہاتھ سے چھپانے کی کوشش کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عبرانی زبان سیکھ لو، تاکہ یہ دین کے معاملہ میں مسلمانوں کو فریب نہ دے سکیں، خود صحابۂ کرام نے عبرانی وسریانی اور دوسری زبانیں سیکھی تھیں۔

ہر زمانہ میں علماء اسلام نے دینی علوم کے علاوہ دوسرے علوم سیکھے تھے۔ عہد عباسی میں جب منطق وفلسفہ اور طب ونجوم کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا اور مختلف عقائد رکھنے والی قوموں نے اسلام قبول کیا تو دشمنان اسلام اور نومسلم قوموں کے بعض ذہین افراد، اسلامی عقائد پر فلسفیانہ اعتراض کرنے لگے، مسلمانوں نے ان جدید علوم کو پڑھ کر اسی ہتھیار سے عقائد اسلام کی مدافعت شروع کردی اور اس طرح علم کلام کی بنیاد پڑی اور اس زمانہ سے لے کر آج تک منطق وفلسفہ اور علم کلام ہمارے نصاب تعلیم کا جز بن گئے۔

علماء سلف کی روشن دماغی، زمانہ شناسی اور وقت کے تقاضوں سے کامل واقفیت کی اس سے بہتر دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ یونانی منطق اور یونانی علم الاصنام (میتھالوجی) کو جسے ہمارے قدیم مدرسوں میں فلسفہ کہا جاتا ہے، دینی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کیا، جو بلاشبہ اس زمانے میں اسلام کی خدمت کا تقاضا تھا۔ اب عقائد اسلام پر نہ وہ اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں، نہ ان کے جوابات کی

ضرورت باقی رہی، نہ آج وہ فرقے باقی ہیں، نہ ان کا زور وشور ہے، نہ ان کے عقائد کی اشاعت کا اب خطرہ باقی ہے، اب جدید علم کلام کی ترتیب کی ضرورت ہے، اب سیاسیات واقتصادیات کی راہ سے اسلام پر جو اعتراض کیا جارہا ہے، اس کے رد کرنے کی ضرورت ہے۔'' [1]

کسی بھی درسگاہ کے نصاب تعلیم کی ترتیب میں دقت نظری اور دور بینی کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں معمولی چوک اور غفلت سے نہایت مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ اس قدر نازک ذمہ داری ہے کہ اس نصاب کو پڑھنے والی پوری نسل کے ذہنی ارتقاء اور فکری تعمیر کا دارومدار اسی پر ہے، چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے نصاب تعلیم پر اظہار خیال کرتے ہوئے بجا طور پر یہ تبصرہ فرمایا:

''نصاب تعلیم کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر رواداری کے ساتھ کوئی رائے قائم کرلی جائے، یا کسی عجلت اور جذباتیت کے ساتھ فیصلہ صادر کردیا جائے۔ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے، نہ اس کو معصوم قرار دینا صحیح ہے، نہ اس کو کاملاً ناقص اور قابل ترک ثابت کرنا آسان ہے، حقیقت میں نصاب تعلیم کسی قوم کے فکری ارتقاء، اس کے علمی تجربوں، اس کے طریق فکر اور اس کی ذہنی صلاحیت کی ہانڈی کا سرجوش ہوا کرتا ہے، نصاب تعلیم کسی قوم کے مطالعہ، اس کی فکری سطح اور اس کی ذہنی صلاحیت کا نقطۂ عروج ہوتا ہے، اس لئے کسی نصاب تعلیم پر، اس قوم کے علمی تجربوں، اس ملت کی علمی نمائندگی کرنے والے گروہ کی نفسیات اور اس ملک کے ماحول سے الگ کرکے، غور نہیں کیا جاسکتا، نصاب تعلیم اس ماحول کا علمی اظہار ہوتا ہے، نصاب تعلیم کا بھی ایک ضمیر ہوتا ہے اور اس کی ایک روح ہوتی ہے جو اس کے پورے جسم میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے، نصاب تعلیم کچھ بے جوڑ چیزوں کو جمع کردینے اور پڑھائی جانے والی چند کتابوں کے بے جان مجموعہ کا نام نہیں، نصاب تعلیم کسی ملت، یا کسی علمی گروہ کی اپنی ضروریات کے احساس، اپنے زمانہ کے تقاضوں کے سمجھنے اور پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کا ماحصل ہوتا ہے۔''

مولانا حکیم عبدالحی لکھنویؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے ہندوستان کے نصاب درس اور اس کے تغیرات کا باریک بینی اور دقت نظری کے ساتھ علمی اور تاریخی جائزہ لیا ہے اور قدیم ہندوستانی نصاب کے چار ادوار قرار دئے ہیں:

دور اول: اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے سمجھنا چاہئے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دور شروع ہوگیا تھا، کم وبیش دو برس تک مندرجہ ذیل فنون کی تحصیل معیارِ فضیلت سمجھی جاتی

[1] تعمیر حیات ۲۵/مارچ و ۲۵/اپریل ۱۹۸۴ء

تھی، صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ میں ہدایہ، اصول فقہ میں منار، اور اس کے شروح اور اصول بزودی، تفسیر میں مدارک، بیضاوی اور کشاف، حدیث میں مشارق الانوار اور مصابیح السنۃ (یعنی مشکوٰۃ المصابیح کا متن) ادب میں مقامات حریری، جو زبانی یاد کی جاتی تھی، اُس زمانے میں فقہ اور اصول فقہ معیار فضلیت تھا، حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی وہ ''امام الدنیا فی الحدیث'' کے لقب کا مستحق ہوجاتا تھا۔

دور دوم: نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ نے سابقہ معیار فضیلت کو کسی قدر بلند کرنے کے لئے قاضی عضد کی تصانیف مطالع ومواقف اور سکاکی کی ''مفتاح العلوم'' نصاب میں داخل کیں اور بہت جلد یہ کتابیں متداول ہوگئیں، یعنی دور اول میں جو کتابیں تھیں، اس میں اس دور کی مذکورہ بالا کتابیں یعنی مطالع ومواقف اور ان کی شرحیں، مطول، مختصر، تلویح، شرح عقائد، شرح وقایہ، شرح جامی کا اضافہ کر لینے سے دور دوم کے نصاب کی فہرست بہ آسانی مرتب ہوجاتی ہے۔

دور سوم: دور دوم کے نصاب درس میں جو تغیر ہوا تھا، اس سے لوگوں کی امنگیں بڑھ گئیں تھیں اور وہ معیار فضیلت کو اس سے بھی زیادہ بلند کرنے کے متمنی ہوگئے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ)، جو اس دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے، نے درسیات میں مفید اضافہ کیا، شاہ صاحب اور ان کے اخلاف نے صحاح ستہ کے درس وتدریس کو اپنی سعی وکوشش سے جزو نصاب بنایا۔ شاہ صاحب نے اپنے طرز کا ایک جدید نصاب بنایا تھا، مگر چونکہ اس زمانہ میں علم کا مرکز ثقل دہلی سے لکھنؤ کو منتقل ہو چکا تھا اور تمام درسگاہوں میں منطق وحکمت کی چاشنی سے لوگوں کے کان وزبان آشنا ہو رہے تھے، نیز ہمایوں اور اکبر کے زمانے میں ایران سے جو نیا تعلق ہوا تھا اس نے بتدریج ہندوستان کے علمی مذاق میں ایک جدید تغیر پیدا کر دیا تھا۔ مغل دربار کے ایرانی علماء اور امراء کے ذریعہ منطق اور فلسفہ کو جو شروع ہی سے ایران میں معیار فضیلت سمجھے جاتے تھے، آہستہ آہستہ دوسرے علوم پر فوقیت حاصل ہوتی جاتی تھی، اس لئے شاہ صاحب کے نصاب کو قبول عام حاصل نہ ہوسکا۔

دور چہارم: چوتھا دور بارہویں صدی ہجری میں قائم ہوا۔ اس نصاب کے بانی ملا نظام الدین سہالوی لکھنوی تھے، یہ شاہ صاحب کے ہم عصر تھے، لہٰذا ان کے زمانے میں وہی کتابیں رائج تھیں جو شاہ صاحب کے نصاب درس میں تھیں، درس نظامی کے نام سے جو نصاب آج تمام مدارس عربیہ میں رائج ہے، وہ

ان ہی کی یادگار رہے۔انھوں نے تمام ہی فنون میں اضافے کئے،اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امعان نظر اور قوت مطالعہ کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے،اسی کا نتیجہ ہے کہ طلبہ میں قوت مطالعہ،دقت نظر، احتمال آفرینی اور قوت قریبہ پیدا ہوجاتی ہے۔[1]

تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان میں علم کے تین مراکز فکر قائم تھے۔دہلی لکھنؤ اور خیرآباد۔گو نصاب تعلیم تینوں کا قدرے مشترک تھا،تاہم تینوں کے نقطہائے نظر مختلف تھے،دہلی میں تفسیر و حدیث پر زیادہ توجہ کی جاتی تھی۔حضرت شاہ ولی اللہؒ کا خاندان کتاب وسنت کی نشر واشاعت اور تعلیم و تدریس میں ہمہ تن مشغول تھا۔علوم معقولہ کی حیثیت ثانوی درجہ کی تھی۔لکھنؤ میں علماء فرنگی محل پر ماوراء النہر کا ساتویں صدی والا قدیم رنگ چھایا ہوا تھا،فقہ اور اصول فقہ کو ان کے یہاں سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی،تفسیر میں جلالین و بیضاوی اور حدیث میں صرف مشکوٰۃ المصابیح کافی سمجھی جاتی تھی۔خیرآباد مرکز کا علمی موضوع صرف منطق وفلسفہ تھا،اور یہ علوم اس قدر اہتمام کے ساتھ پڑھائے جاتے تھے کہ جملہ علوم کی تعلیم ان کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔

دارالعلوم دیوبند جسے گذشتہ صدی سے ام المدارس کی حیثیت حاصل ہے،نے ان علوم کی عظمت کو نہ صرف باقی رکھا،بلکہ ان کو ترقی دینے میں اس نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے،اس کے نصاب تعلیم میں ان تینوں مقامات کی خصوصیات کو جمع کر دیا گیا اور ان کے امتزاج سے جو نصاب تیار ہوا ہے وہی نصاب بالعموم مدارس عربیہ میں زیر درس ہے،بعض مدارس نے اپنے علاقے کے تقاضوں کے مطابق بعض فنون میں مفید کتابوں کا اضافہ کیا ہے۔

دینی مدارس کے نصاب تعلیم کے بارے میں جہاں تک تعلق حضرت نانوتویؒ کی فکر کا ہے تو جس طرح حضرت نانوتویؒ اپنے علم میں وسعت اور گہرائی رکھتے تھے اسی طرح نصاب تعلیم کے بارے میں بھی وہ وسیع الفکر اور فراخ چشم تھے،نصاب تعلیم کے سلسلہ میں حضرت نانوتویؒ کی وہ تقریر،جو انھوں نے ۱۲۹۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے جلسہ ''اعطاء اسناد وانعام'' میں کی تھی،نہایت اہم ہے اور اس سے ان کا نقطۂ نگاہ معلوم ہوتا ہے،ان کی وہ تقریر تاریخ دارالعلوم دیوبند (جلد ا صفحہ ۱۶۹) پر موجود ہے،آپ اگر مولانا نانوتویؒ کی اس تقریر پر ایک نظر ڈالیں تو یقیناً محسوس کریں گے کہ وہ حقائق ومعارف سے لبریز ہے اور اس کے لفظ لفظ سے ان کی جہاں بینی،باخبری،روشن دماغی،مومنانہ فراست،دینی غیرت اور اسلامی حمیت کے ساتھ

[1] ملخصاً از رسالہ ''ہندوستان کا نصاب درس'' از مولانا حکیم سید عبدالحیؒ مطبوعہ شعبۂ تعمیر وترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلامی معاشرت، اسلامی تہذیب، علوم دینیہ اور مقاصد شریعت کے تحفظ کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے، اپنے وقت کے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر طلبہ ونوجوانوں کو مغربی فکر وتہذیب کی یلغار سے بچانے اور ان کے قلب ونظر کو مومنانہ اور داعیانہ روح سے بھرنے کے لئے انھوں نے ایک ایسے نصاب کو اختیار فرمایا جس سے طلبہ میں علمی رسوخ، فقہی بصیرت، ذوق حدیث اور فہم قرآن کے ساتھ ساتھ تمام علوم دین وشریعت میں گہرائی پیدا ہو اور وہ دین کی اشاعت اور اسلام کی حفاظت، دونوں محاذوں پر اولوالعزمی، حوصلہ مندی اور خود اعتمادی کے ساتھ مصروف عمل رہ سکیں۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد جنھیں فکر قاسمی کا شارح وترجمان کہا جاسکتا ہے، نے ''سوانح قاسمی'' میں حضرت نانوتویؒ کی اس تقریر کو نقل فرمایا ہے اور اس کے ہر ہر جملہ کی دل نشیں تشریح بھی فرمائی ہے اور اپنے قیمتی تبصرہ اور منفرد اسلوب تحریر سے اس تقریر کی معنویت اور اہمیت کو اجاگر کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کے کچھ حصے آپ کے سامنے پیش کروں تاکہ مولانا گیلانی کی وساطت سے مولانا نانوتویؒ کی نصاب تعلیم کے بارے میں جو فکر تھی، اس سے ہم واقف ہوسکیں۔

دینی درسگاہوں میں جدید وقدیم علوم کا امتزاج کیوں اور کیسے ہو؟ یہ ایک مستقل موضوع بحث ہے، مولانا نانوتویؒ نے اپنی تقریر میں اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اب ہم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوجائے کہ درباب تحصیل یہ طریقہ خاص کیوں تجویز کیا گیا اور علوم جدیدہ کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟''

مولانا گیلانیؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''سب سے پہلی بات تو صرف اسی سوال سے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جدید علوم وفنون کے سوال سے جو یہ باور کرلیا گیا ہے اور اب بھی یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ہمارے علماء قطعاً خالی الذہن تھے، افتراء یا اتہام کے سوا وہ کچھ نہیں، کم از کم دیوبندی حلقہ کے علماء کی ذمہ دار ہستیوں کا دامن تنگ خیالی اور جمود کے اس داغ سے پاک تھا۔ اس کے لئے تو یہی کافی ہے کہ اس طبقہ کے سب سے بڑے پیشوا سیدنا الامام الکبیر (حضرت نانوتویؒ) کے سامنے یہی نہیں کہ صرف سوال ہی تھا، بلکہ جو جواب اس سوال کا دیا گیا ہے، اسے سنئے اور انصاف سے کہئے کہ تقریباً ایک صدی پہلے حضرت والا کا ذہن جن جن اشتباہی پہلوؤں کو چاک کر کے نتیجہ تک پہنچ چکا تھا، کیا اس وقت تک فراخ چشمیوں کے مدعیوں کا گروہ وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہے؟''

حضرت نانوتویؒ نے اس سوال کا جواب ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''من جملہ دیگر اسباب کے بڑا سبب اس بات کا تو یہ ہے کہ تربیت عام ہو یا خاص، اس پہلو کا لحاظ چاہئے جس کی طرف سے ان کے کمال میں رخنہ پڑا ہو۔''

مولانا گیلانیؒ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

''مطلب یہ ہے کہ افراد ہوں یا جماعتیں ان کے اٹھان اور جن کمالات تک ان کو پہنچانا مقصود ہو، سب سے پہلے توجہ کے مستحق اس سلسلہ میں وہی معاملات ہوتے ہیں، بلکہ چاہئے کہ وہی ہوں، جو سب سے پہلے زیادہ کسمپرسی اور لاپرواہی کا شکار ہو چکے ہوں، جس زمانہ میں یہ تقریر ہو رہی تھی، اس وقت عالمی راہ سے مسلمانانِ ہند کی تربیت و اصلاح کے مسئلہ کی نوعیت مذکورہ اصول کی روشنی میں کیا ہونی چاہئے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے پہلا فقرہ یہ فرمایا گیا تھا:

''سو اہل عقل پر روشن ہے کہ آج کل تعلیمِ علوم جدیدہ تو بوجہ کثرتِ مدارس سرکاری اس ترقی پر ہے کہ علوم قدیمہ کو سلاطین کے زمانۂ سابق میں بھی یہ ترقی نہ ہوئی ہوگی۔''

اس جملہ کا مطلب جیسا کہ ظاہر ہے یہی تھا کہ نہ علوم جدیدہ کی افادیت ہی کے آپ منکر تھے اور نہ آپ کا یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کو ان علوم وفنون سے الگ تھلگ رہنا چاہئے، جن سے ملک کو نئی قائم ہونے والی حکومت نے روشناس کرایا ہے، توجہ صرف اس پر دلائی گئی کہ خود حکومت کی طرف سے جن علوم وفنون کے پڑھنے اور پڑھانے کا نظم وسیع پیمانے پر کیا جا چکا ہے اور آئندہ کیا جائے، اور کیسا وسیع نظم؟ کہ بقول حضرت نانوتویؒ اتنی سرپرستی قدیم علوم اور اسلامی فنون کو گذشتہ سلاطین اور مسلمان بادشاہوں کی طرف سے بھی کبھی میسر نہیں آتی تھی۔

علوم جدیدہ کی اشاعت وترقی کے اس تذکرہ کے بعد ارشاد ہوا کہ:

''ہاں! علوم نقلیہ یعنی خالص دینی و اسلامی علوم کا یہ تنزل ہوا کہ ایسا بھی کسی کارخانے میں نہ ہوا ہوگا''

دونوں علوم کی تصویر واقعی پیش کرنے کے بعد مولانا نانوتویؒ فرماتے ہیں:

''ایسے وقت میں رعایا کو مدارس علوم جدیدہ کو بنانا تحصیل حاصل نظر آیا''

حضرت نانوتویؒ کا خیال یہ تھا کہ مسلمان جس علم سے محروم رہ جانے کے بعد مسلمان باقی نہیں رہ سکتے اور نئی حکومت اپنے خاص حالات کی وجہ سے مسلمانوں کے ان علوم کی سرپرستی سے صرف دست بردار ہی نہیں ہوگئی ہے، بلکہ واقعات بتا رہے تھے کہ نئی حکومت کے پیدا کئے ہوئے ماحول میں زبونی کے آخری

حدود تک وہ پہنچ چکے ہیں، ان علوم کے احیاء وبقاء کا انتظام رعایا کی مالی امداد سے کیا جائے اور یہی مطلب ہے ان الفاظ کا جو آگے اسی تقریر میں پائے جاتے ہیں (یعنی دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی نصاب میں) اسی لئے ارشاد ہوا کہ:

''صرف بجانب علوم نقلی (یعنی خالص اسلامی ودینی) اور نیز ان علوم کی طرف جن سے استعداد علوم مروجہ اور استعداد علوم جدیدہ یقیناً حاصل ہوتی ہے (انعطاف) ضروری سمجھا گیا''۔

مولانا گیلانیؒ کی تشریح ملاحظہ فرمائیے:

''آپ دیکھ رہے ہیں دارالعلوم کے نصاب میں خالص دینی واسلامی علوم (قرآن وحدیث وفقہ وغیرہ) کے ساتھ ساتھ عقلی وذہنی فنون کی شرکت کی توجیہ کرتے ہوئے حضرت والا نے جہاں اس عام اور مشہور غرض کا تذکرہ فرمایا ہے، یعنی مسلمانوں کے ''علوم مروجہ'' کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، قیل وقال، جواب وسوال سے فکری ورزش کرا کے طلبہ میں دقیقہ سنجیوں، موشگافیوں کے ملکہ کو ابھارا جاتا ہے ''استعداد علوم مروجہ'' سے یہی مراد ہے، اس سلسلہ میں پھر حضرت نانوتویؒ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

''اور استعداد علوم جدیدہ یقینا حاصل ہوجاتی ہے''

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ دارالعلوم کے مروجہ نصاب میں.....ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس نصاب کو پڑھ کر فارغ ہونے والوں میں ''علوم جدیدہ'' حاصل کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، گویا علوم جدیدہ کی تعلیم کا مقدمہ بھی دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی نصاب بن سکتا ہے اور چاہا جائے تو اس سے یہ کام بھی لیا جاسکتا ہے''۔

چنانچہ آج تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ ہمارے فضلاء اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد دین کی خدمت اور اسلام کی اشاعت کے نقطۂ نظر ہی سے جب دوسرے علوم حاصل کرتے ہیں تو ان میں اتنی لیاقت ہوتی ہے کہ اس میدان میں بھی وہ فائق رہتے ہیں۔

جدید تعلیم کے حصول سے حضرت نانوتویؒ نے منع نہیں فرمایا اور کیسے منع کرتے وہ تو باخبر، زمانہ شناس اور صاحب بصیرت عالم تھے اور تقاضائے زمانہ سے آگاہ تھے، بلکہ ایک گونہ ترغیب بھی دلائی، مگر یہ بات مخفی نہ رہی کہ مولانا چاہتے تھے کہ طلبہ جدید علوم سے اسلام کی خدمت کریں اور دین اور کار دین سے خود کو وابستہ رکھیں، انھوں نے فرمایا:

''اس کے بعد یعنی دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی نصاب سے فارغ ہونے کے بعد اگر طلبۂ مدرسۂ ہذا، مدارس سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ کو حاصل کریں، تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤید ثابت ہوگی''

مولانا گیلانیؒ کے مخصوص طرز تحریر کا لطف اٹھاتے ہوئے ان کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

''ذرا سوچئے کہ غم وغصہ، بے زاری اور دل افگاری کے ان ایام کو جن میں مسلمانوں کو ہندوستان جیسے اقلیم کی شہنشاہیت سے محروم کر کے غلام بنالیا گیا تھا، جو آسمانوں پر تھے، زمین پر پٹک دیئے گئے تھے، ان کے قلوب میں جیسا کہ چاہئے تھا، قدرتاً اس قوم کی طرف سے انتقام اور نفرت کی آگ بھری ہوئی ہو، جس کے ہاتھوں اس سیاہ انجام تک وہ پہنچے تھے، ہر وہ چیز جو اس قوم کی طرف منسوب تھی، مسلمان فطرتاً اس سے بھڑکتے تھے، اسی مسموم فضاء اور غلط فہمیوں سے بھرے ہوئے ماحول میں سیدنا الامام الکبیر یہی نہیں کہ انگریزی مدارس میں داخل ہو کر تعلیم پانے کے جواز ہی کا فتوی دے رہے ہیں، بلکہ بغیر کسی جھجک کے مولویوں کی بھری ہوئی مجلس میں اعلان فرما رہے ہیں کہ سرکاری مدارس میں شریک ہو کر علوم جدیدہ کی تعلیم، علمی کمالات کے چمکانے اور آگے بڑھانے میں مولویوں (علماء) کے لیے مفید ثابت ہوگی، اللہ اللہ! ایک طرف اس زمانہ میں مولویوں کا ایک طبقہ تھا، بلکہ ان کی اکثریت یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ جو کچھ انھوں نے پڑھ لیا ہے، اس کے سوا کوئی دوسری چیز ایسی ہے نہیں جسے سیکھا جائے اور پڑھا جائے، ان ہی علماء کے درمیان پکارنے والا پکار رہا ہے کہ مولویوں میں اپنے علمی کمالات میں جو مزید فروغ اور زیادہ وزن پیدا کرنا چاہے، چاہئے کہ یورپ کے جدید علوم وفنون کا مطالعہ کرے، ان کی علمی زبانوں کو سیکھے، جو سرکاری مدارس (عصری درسگاہوں) میں سکھائی جاتی ہیں، یورپ کے جدید علوم وفنون کی اہمیت و ضرورت کا انکار جسے اس زمانہ میں ہمارے علماء نے اپنا پیشہ بنا رکھا تھا، دیوبندی نظام تعلیم کے امام اول واکبر نے ٹھیک وقت پر ان جدید عصری علوم کی ضرورت واہمیت کو تسلیم کر لیا تھا۔

گویا حضرت نانوتویؒ قدیم وجدید دونوں علوم حاصل کرنے کی فکر رکھتے تھے، لیکن جدید وقدیم علوم کا مشترک نصاب دارالعلوم میں کیوں نہیں جاری کیا گیا تو اس کا جواب انھوں نے اس طرح دیا ہے:

''زمانہ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل، سب علوم کے حق باعث نقصان استعداد رہتی ہے''۔

ظاہر ہے کہ اسلامی ودینی علوم کی صحیح بصیرت حاصل کرنے کے لئے جن فنون کی تعلیم بطور مقدمہ دی جاتی ہے، صرف ونحو، ادب، معانی وبیان، اصول فقہ، کلام اور علوم دانش مندی جن سے ذہنی ورزش کا کام لیا جاتا ہے، ان سب کے مختصر ترین نصاب کے لیے بھی اتنی کتابوں کی ضرورت ہے کہ اس کے ساتھ علوم جدیدہ کی کتابوں کی گنجائش بہ مشکل نکل سکتی ہے اور اس بوجھ کے نتیجہ میں صحیح استعداد طلبہ میں پیدا نہیں ہو سکتی۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے گویا جدید علوم کی تعلیم کی افادیت کے اعتراف کے ساتھ دینی مدارس میں مشترکہ طور پر ان علوم کی تدریس کو خارج از بحث قرار دیا، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ عربی

مدارس سے فراغت کے بعد عصری درسگاہوں میں تعلیم حاصل کریں یا عصری علوم کی تکمیل کے بعد دینی مدارس میں آئیں، لیکن دونوں کی مخلوط تعلیم کا ردانش مندی نہیں ہے، یہ بات انگریزی اور عصری علوم کی تعلیم سے نفرت اور بے زاری کی وجہ سے نہیں، بلکہ دینی واسلامی علوم میں خامی کے اندیشہ سے آپ نے یہ فیصلہ فرمایا.....۔

درس نظامی کے تدریسی حلقوں میں فلسفہ کے نام سے جو کچھ پڑھایا جاتا تھا اس پر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے ایک خط کے ذریعہ توجہ دلائی تھی کہ وہ قطعی طور پر مردہ ہو چکا ہے، اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''لیکن ہمارے علماء محض موروثی روایات کے زیر اثر اسی مرحوم ومدفون فلسفہ کی کتابیں پڑھتے چلے آرہے تھے،..... دین کے لئے فلسفہ کے مطالعہ کی ضرورت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ فلسفہ کی راہ سے خام عقلوں کو جن مغالطوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے ان کا ازالہ کیا جائے، اس لحاظ سے بجائے اس مسترد اور مردہ فلسفہ کے کچھ ضرورت تھی تو اس بات کی کہ اس زمانے میں ''فلسفہ'' کے نام سے جن خیالات کو حسن قبول حاصل ہو رہا تھا جو ظاہر ہے کہ مغرب کا جدید فلسفہ ہی ہوسکتا تھا، لیکن اس کی طرف نظامی درس کے معقولی علماء نگاہ غلط انداز بھی ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے، سیدنا الامام الکبیر قدیم علوم کا جدید علوم سے جو رشتہ قائم کرنا چاہتے تھے حضرت والا کے منشا کے مطابق یہ رشتہ اگر قائم ہوجاتا تو بجائے اس مردہ فلسفہ کے، یورپ کے جدید فلسفہ کے مطالعہ کا موقع ہمارے علماء کے لئے بآسانی میسر آسکتا تھا''۔

راقم سطور اس موقع پر اس حقیقت کا اظہار کرنا مناسب سمجھتا ہے اور اب طبقۂ علماء میں اس کی ضرورت محسوس کی جانے لگی ہے کہ اسلام کی تبلیغ ودعوت ہی کے نقطۂ نظر سے انگریزی زبان اور اپنے علاقہ کے اعتبار سے جو زیادہ رائج زبان ہو، انھیں سیکھیں، علماء اگر اس طرح کی زبانوں اور بنیادی عصری معلومات سے ناواقف ہوں تو وہ صحیح طور پر دین کی خدمت اور خصوصیت کے ساتھ انگریزی داں طبقہ، جو پوری دنیا میں بہت بڑی تعداد پر مشتمل ہے، کو دین کی طرف دعوت دینے کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے، یہی نہیں بلکہ ان زبانوں میں پھیلائے جانی والی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کی انہیں خبر تک نہیں ہوتی، ہم جو کچھ اردو زبان میں پڑھتے اور حسب توفیق وموقع لکھتے ہیں اور ہماری یہ تحریریں ملکی وبین الاقوامی رسائل واخبارات میں شائع

ہوتی ہیں، شاید آپ بھی اس سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ ان اردو رسائل واخبارات میں شائع ہونے والی تحریروں کو پڑھنے والے مسلمان کم اور انتہائی کم ہوتے ہیں، کام جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے فوائد واثرات کا مجھے پورا اعتراف ہے، لیکن جو بات میں قدردانی واعتراف کے جذبات کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی ''خوش فہمی کے خول'' سے باہر نکل کر اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہئے کہ مسلم دنیا کا کتنا بڑا طبقہ وہ ہے جو بدقسمتی سے اردو زبان سے ناآشنا ہے اور اس طبقہ تک ہم اپنی بات اور دینی دعوت وپیام پہنچانے سے قاصر ہیں ——— نئی نسل جس نے اقتصادی ومعاشی تقاضوں کے پیش نظر انگریزی اور دیگر زبانوں کو رابطہ کی زبان کی حیثیت دی ہے، یا دوسری قومیں جب اسلام کا مطالعہ کرنا چاہتی ہیں، تو اسی زبان کے لٹریچر پڑھتی ہیں، جو اکثر مستشرقین اور اسلام دشمن مصنفین کی ہوتی ہیں اور اسلام کے بارے میں ان کے دل میں نفرت کی تخم ریزی کی جاتی ہے، اس طرح بہت سے دکھے ہوئے بے چین اور مضطرب دل ودماغ تلاش حق میں اسلام کی طرف بڑھتے ہیں، مگر سوائے بدگمانی اور نفرت کے انھیں کچھ ہاتھ نہیں آتا، ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ اس میں بڑی حد تک ہماری غفلت اور کوتاہی کو دخل ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ طبقۂ علماء نے دین کی بڑی وقیع اور قابل قدر وشکر خدمت انجام دی ہیں اور ان کے فیوض وبرکات سے ایک عالم مستفیض ہو رہا ہے، مگر اس پہلو سے غور کیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے مدارس کے فضلاء انگریزی زبان اور دوسری علاقائی زبانوں میں مہارت پیدا کر کے خدمت دین کے لیے میدان میں آئیں تو ایک زبردست انقلاب برپا ہوسکتا ہے اور علماء کا علمی وروحانی فیض دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل سکتا ہے، علماء جدید چیلنج کے مقابلہ کے لئے اگر ان بین الاقوامی زبانوں پر نظر رکھیں، بے تکلف اسلام کے ناقدین کو پڑھیں اور جدید حلقہ میں داعیانہ کردار صحیح طور پر ادا کرسکیں تو یہ وقت کے اہم تقاضے کی تکمیل ہوگی، اس سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کا اسوہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ وہ چھ زبانوں کے ماہر تھے اور قرآن حکیم کی آیت: ''وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه'' کا مفہوم اور تقاضا بھی تو یہی ہے۔

مولانا گیلانی نے اپنی معروف کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ وہ واقعات نقل فرمائے ہیں، جن سے ہمارے اکابر علماء کی دیگر زبانوں سے دلچسپی معلوم ہوتی ہے، آپ ان واقعات کو ان کی مذکورہ کتاب میں پڑھیں، تاہم سیمینار کے موضوع کی مناسبت سے حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا ایک واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، یقیناً اس میں ہم سب کے لئے عبرت کی مایہ اور نصیحت کا سامان ہے، مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں:

''اس سلسلہ کی ایک دلچسپ بات وہ ہے جو براہ راست اس فقیر نے مولانا حافظ محمد احمد مرحوم سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے سنی تھی، اپنے والد مرحوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے متعلق یہ قصہ بیان کرتے تھے کہ آخری حج میں جب جارہے تھے تو کپتان نے جو غالبا کوئی اٹالین (اٹلی کا باشندہ) تھا، عام مسلمانوں کے اس رجحان کو جسے مولانا کے ساتھ عموماوہ دیکھ رہا تھا، یہ دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں، حجاج میں کوئی انگریزی جاننے والے مسلمان بھی تھے انھوں نے کپتان سے مولانا کے احوال بیان کئے، اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی، مولانا بہ خوشی کپتان سے ملے، کپتان نے اجازت چاہی کہ کیا مذہبی مسائل پر گفتگو کرسکتا ہوں، مولانا نے اسے بھی منظور فرمالیا، وہی انگریزی داں صاحب ترجمان بنے، کپتان پوچھتا تھا اور مولانا جواب دیتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد مولانا کے خیالات کو سن کر وہ کچھ مبہوت سا ہوگیا اور مولانا کے ساتھ اس کی گرویدگی اتنی بڑھی کہ قریب تھا کہ اسلام کا اعلان کردے، اس نے شاید وعدہ بھی کیا کہ وہ ہندوستان حضرت سے ملنے کے لیے حاضر بھی ہوگا۔ اس واقعہ کا مولانا محمد قاسمؒ پر اتنا اثر پڑا کہ آپ نے جہاز ہی پر عزم فرمالیا کہ واپس ہونے کے بعد میں انگریزی زبان خود سیکھوں گا، کیونکہ مولانا کو محسوس ہورہا تھا کہ جتنا اثر کپتان پر براہ راست گفتگو سے پڑسکتا تھا ترجمان کے ذریعہ وہ بات نہیں حاصل ہورہی ہے''۔

لیکن افسوس ہے کہ اجل مسمی نے واپس ہونے کے بعد فرصت نہ دی، کاش! یہ صورت پیش آجاتی تو دارالعلوم دیوبند کی علمی تحریک کا رنگ یقینا کچھ اور ہوتا، لوگوں کو اکابر دیوبند کے خیالات سے صحیح واقفیت نہیں ہے، ورنہ جن تنگ نظریوں کا الزام ان کی طرف عائد کیا جاتا ہے، اس سے ان بزرگوں کی ذات بری ہے۔

سوانح قاسمی میں مولانا گیلانی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''جاننے والے جانتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند میں جب کبھی موقع ہمدست ہوا، ہندو دھرم کی علمی زبان سنسکرت کے سکھانے کا بھی نظم کیا گیا ہے، یا وظیفہ دے کر طلبہ کو ان زبانوں کے سیکھنے کے لیے بھیجا گیا اور آج بھی ضرورت ہے کہ کچھ نہیں تو کم از کم ہندوستان کے مروجہ مذاہب وادیان کے متعلق صحیح معلومات سے دارالعلوم کے طلبہ کو روشناس کرانے کی ممکنہ صورتیں اختیار کی جائیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اسلامیات کا جو ذخیرہ اردو زبان میں پایا جاتا ہے، اس سے بھی زیادہ سرمایہ اسلامی تعلیمات کا ہندی میں منتقل کردیا جائے، ہمارا یہ ایک تبلیغی فرض ہے، انشاء اللہ یہ خواب پورا ہوکر رہے گا''

(جلد دوم صفحہ ۴۷۹)

دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی علمی، تعلیمی جدوجہد کا محور ومرکز تھا، اس لحاظ سے دار العلوم کے نصاب کے سلسلہ میں انھوں نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، تمام دینی درسگاہوں کے سلسلہ میں ان کا نقطۂ نظر وہی تھا۔ وقت کے تقاضوں اور حالات کے پس منظر میں ایک باضابطہ دینی درسگاہ کے قیام وتاسیس کے ذریعہ ان کا مقصد یہی تھا کہ اس طرح کی درسگاہیں جگہ جگہ قائم کی جائیں اور ان سے ایسے افراد پیدا کئے جائیں جو وقت کے چیلنج کو سمجھنے اور اس کے مقابلہ کی بھرپور لیاقت وصلاحیت رکھتے ہوں۔

نصاب تعلیم کے سلسلہ میں اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مروجہ نصاب تعلیم (درس نظامی) تاریخ کے مختلف ادوار میں اصلاح کے مراحل سے گزرا ہے اور اس تاریخی اعتراف سے یہ بات خود بخود ثابت ہوتی ہے کہ ہمارے اکابر واسلاف نے وقت کے تقاضے اور ملت کے مصالح سے کبھی چشم پوشی نہیں کی، دار العلوم کی روداد بتاتی ہے کہ ۱۲۸۳ھ میں جو پہلا نصاب جاری ہوا وہ تقریباً ۱۹ سال کے مختصر عرصہ میں تین بار اصلاح وترمیم کے مراحل سے گزرا، پھر ۱۳۰۲ھ میں ایک نئی شکل اختیار کر گیا، جو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ ۱۳۹۰ھ تک رہا، اس کے بعد پھر از سر نو جائزہ لیا گیا اور تقاضائے حال کے مطابق ترمیم ہوتی رہی، حال ہی میں (یعنی چند سال پیشتر) دار العلوم کی موجودہ انتظامیہ نے نصاب تعلیم پر ایک اہم مذاکرہ منعقد کیا، جو نتیجہ خیز اور بامقصد رہا، یہ ایک خوش آئند اور حوصلہ افزا پہلو ہے اور اس سلسلہ کو جاری رکھنا چاہئے کہ وقت کے تقاضوں کی رعایت ایک زندہ قوم کی علامت ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علماء وفضلاء دور جدید کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے بعض ان علوم وفنون اور زبانوں سے بھی باخبر ہوں، جن کی عملی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے، تاکہ میدان عمل میں اجنبیت اور بے گانگی کا انھیں احساس نہ ہو، میں یہ نہیں کہتا کہ مستقل طور پر ان علوم جدیدہ کو داخل نصاب کر لیا جائے اور اپنے اصل دینی علوم کے نظام تعلیم کو متاثر یا کمزور کر دیا جائے، تاہم اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ تکمیل علوم کے بعد ان کے لیے ان جدید علوم سے واقفیت کی کوئی صورت نکالی جائے، یا پھر ایام درس ہی میں بعض علوم کی تدریس (نوٹس وغیرہ کی صورت میں) کچھ ایسے ہلکے پھلکے انداز میں کی جائے کہ اس سے تعلیمی دلچسپی میں ذرہ برابر فرق نہ آنے پائے، لیکن اس جانب توجہ ضرور دینی چاہیے۔ موجودہ سائنسی وٹکنالوجی ترقی کے دور کا تقاضہ بھی یہی ہے، میرے خیال میں فکر قاسمی کی عصری تعبیر وتشریح بھی یہی ہو سکتی ہے کہ ہم زمانہ کے تقاضوں سے آنکھیں بند نہ کریں، بلکہ فکر وجستجو اور حوصلہ مندی کا چراغ جلائے ہوئے آگے

بڑھیں، آپ حضرات صاحب بصیرت علماء ہیں، ''آئین نو سے ڈرنا'' اور ''طرز کہن پر اڑنا'' دونوں کے حدود سے آپ واقف ہیں، آپ کی فراست ایمانی اور عالمانہ بصیرت کے تحت یقین ہے کہ کوئی راہ اعتدال کی ایسی ضرور نکل آئے گی جس سے دینی و دنیوی تقاضوں کی بھرپور رعایت ہو سکے۔

آپ کے منصب و مقام اور ذمہ داریوں کا مجھے احساس ہے اور ہر دانا و ہوشمند اس ذمہ داری کا احساس رکھتا ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ حکیم و دانا اقبال کے اس حقیقت افروز، معنی خیز اور حکیمانہ شعر پر اپنی بات ختم کروں، اس میں بلاشبہ ہم سب کے لئے ایک درس اور پیغام ہے:

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی جگر خوں ہو تو چشم دل سے ہوتی ہے نظر پیدا

الفرقان:

اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے علماء سے جو دینی علوم میں رسوخ اور عملی زندگی میں جادۂ شریعت اور اسلاف کے ذوق و مزاج پر استقامت کے ساتھ ساتھ ان زبانوں اور ان افکار و تعبیرات سے بھی بخوبی واقف ہوں جو ہمارے دور میں رائج ہیں، ایسے اہل علم سے وہ کروڑوں لوگ بھی علم و ایمان کی روشنی پا سکتے ہیں جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہے ہیں، اور جنہیں دینی تعلیم و تربیت اور اسلامی ماحول میں پروان چڑھنے کا موقع نہیں ملا —— اب رہ گیا یہ سوال کہ ایسے علماء کیسے تیار ہوں؟ کیا اس کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جس کی نشاندہی سیدنا الامام الکبیر حضرت نانوتویؒ (فداہ ابی و امی) نے فرمائی تھی یعنی یہ کہ مدرسہ سے فراغت کے بعد ہی ان زبانوں اور ان علوم کی تحصیل کی جائے، یا بدلے ہوئے حالات میں کچھ اور بھی سوچا جا سکتا ہے؟ تو یقیناً یہ وہ سوال ہے جس کے صحیح جواب تک رسائی اور اس مسئلہ کے حل کی کامیاب عملی کوشش پر ہی ہماری ملت کے مستقبل کا بڑی حد تک انحصار ہے اور جہاں تک اس ناچیز راقم سطور کا اندازہ ہے ہمارے اکابر اہل علم سے لے کر مدارس کے ذمہ داروں اور ملت کے باشعور حضرات میں سے شاید ہی کوئی ہوگا جو آج کل اس مسئلہ پر غور و فکر نہ کر رہا ہو —— اس میدان کا تجربہ رکھنے والے ہمارے حضرات اہل علم اگر اس بارے میں اپنی آراء و تجاویز یا اپنے تجربات الفرقان کے صفحات کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے سامنے رکھنا چاہیں تو ہمیں ان کو شائع کر کے مسرت ہوگی ؎

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

☆☆☆

جمع وترتیب: مولانا مفتی زید مظاہری صاحب *
پیشکش: محمد انوار خلیل ہردوئی

ملفوظاتِ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ

اپنے بڑوں کے چھوٹے بنے رہیں:

فرمایا: آدمی اپنے بڑوں سے تعلق نہیں رکھتا اور خود کو ان سے بڑا سمجھتا ہے۔ ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے، نہ بڑوں سے رہنمائی حاصل کرتا ہے نہ کسی سے مشورہ کرتا ہے، نہ بزرگوں اور اللہ والوں سے ملاقات کرتا ہے، اسی لیئے آج کل ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہے اور جو فیض ہونا چاہیئے وہ فیض نہیں ہو رہا ہے، مشورہ میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، جو کام بھی مشورہ کے بعد کیا جاتا ہے اس میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ اسلیئے جو کام کرنا ہو اپنے بڑوں سے ضرور پوچھ لیا کرے، ان سے مشورہ لے لیا کرے، خود رائی سے کبھی نہ کرے، پھر انشا اللہ خیر و برکت ہوگی آج کل لوگ مدرسہ چلاتے ہیں خود ہی مدرسہ کھول لیا اور بن گئے مہتمم اور ناظم، سب کچھ اپنے اختیار میں ہے، اب نہ کسی سے پوچھنا ہے نہ کسی سے مشورہ کرنا ہے جس کو چاہا رکھا اور جس کو چاہا نکال دیا، اسی لئے آج کل مدارس میں خیر نہیں اور نہ ہی کوئی اصلاحی کام ہو پاتا ہے اور نہ وہ فیض ہوتا ہے جو مدرسہ کے ذریعہ ہونا چاہیئے۔

بزرگوں سے ربط رکھنے کا طریقہ

فرمایا: حضرت عبد الرحمٰن ابن قاسمؒ حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں بیس ۲۰ سال رہے ہیں، اٹھارہ سال تک تو علم، ادب و اخلاق (اصلاح نفس) سیکھا اور دو سال تعلیم حاصل کی، اور آج کل ہمارے یہاں علم و ادب و اخلاق اور اصلاحِ نفس کا کوئی خانہ ہی نہیں، آج یہاں ہیں تو کل وہاں، ایک سال اس مدرسہ

---

* استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

میں اور ایک سال دوسرے مدرسہ میں، اسی طرح چکر لگایا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نہ تو علمی صلاحیت اور پختہ استعداد پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی باطن کی اصلاح ہوتی ہے، کیونکہ اصلاح نفس اور باطنی فیوض جو بزرگوں سے حاصل ہوتے ہیں وہ تو محبت اور عقیدت کے بعد ہوتے ہیں اور محبت وعقیدت فوراً نہیں پیدا ہوجاتی بلکہ رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔ جب محبت ہوجاتی ہے تو آہستہ آہستہ اس کے اخلاق کا اس پر اثر پڑتا ہے، اب اگر ایک سال کسی بزرگ کے پاس رہے اور تھوڑی بہت مناسبت پیدا ہوئی پھر وہاں سے چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے پھر ایک سال بعد وہاں سے بھی چلے گئے اور نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے، کسی سے بھی مناسبت نہیں پیدا ہوئی اور کسی مربی کا رنگ نہیں چڑھا۔

اس لئے اگر کہیں رَہیں تو مستقل رہیں، تعلق قائم رکھے تو مستقل کے لئے ہو، تب ہی رفتہ رفتہ فائدہ ہوتا ہے، ایک دم سے نہیں ہوتا بلکہ جس طرح مناسبت بڑھتی جاتی ہے اسی طرح فیض میں اضافہ ہوتا رہتا ہے ،اور آج کل ہماری اصلاح نہ ہونے کا سبب بھی یہی ہے کہ کسی سے مناسبت نہیں ہوتی اس لئے ہم کسی سے پورے طور پر فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔

بزرگوں کی ملاقات وزیارت بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے

فرمایا: بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، اگر ان نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ فرماتے ہیں۔ ناقدری کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے محروم کردیتے ہیں۔ نعمتیں تو اللہ کی بہت ہیں؛ لیکن بعض نعمتیں بہت اہم ہیں، اور وہ ہیں اللہ کے نیک بندوں کی محبت، ان کی زیارت، ان کی معیت، ان کی خدمت میں حاضری اور ان سے ملاقات یہ سب اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔

اپنے چھوٹوں کے سامنے بھی اپنے بڑوں کی خدمت اور ان کا احترام

فرمایا: حضرت شاہ صاحبؒ بڑے درجہ کے بزرگ ہیں، ان کے مریدین کا بڑا حلقہ تھا لیکن اس کے باوجود حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کی مجلس میں جاکر بیٹھا کرتے تھے ان سے استفادہ کرتے تھے اور ان کو ذرا بھی احساس نہ ہوتا تھا کہ میں اپنے مریدین اور شاگردوں کے ساتھ ہوں، ان کے سامنے اس طرح چھوٹا بن کر رہوں گا تو میری شان کے خلاف ہوگا اس کا خیال بھی نہ ہوتا تھا۔

جامعِ ملفوظات مفتی زید صاحب مظاہری مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس باندویؒ کا بھی یہی

مزاج اور یہی عادت تھی بڑوں کی خدمت میں خود حاضر ہوتے تھے، استفادہ کرتے اپنے چھوٹوں کے ہوتے ہوئے بھی اپنے بڑوں کی خدمت کرتے اور ذرا بھی اِس میں عار نہ فرماتے، ایک مرتبہ اپنے استاد حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں سہارن پور تشریف لے گئے، احقر (مفتی زید صاحب) اس وقت مظاہر العلوم میں زیر تعلیم تھا حضرت مفتی صاحب آرام فرما رہے تھے اور حضرت باندویؒ کو دیکھا کہ طلبہ کی موجودگی میں مفتی صاحب کے پیر دبا رہے ہیں۔ اسی طرح ہردوئی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ کی خدمت میں بکثرت تشریف لے جاتے تھے اور اپنے مریدین اور شاگردوں کی موجودگی میں بھی حضرت محیٔ السنۃؒ کے پیر دبایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے بڑوں کا ادب واحترام نصیب کرے۔ آمین

☆☆☆

دورانِ اعتکاف ''زامبیا'' میں حالیہ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ مطابق اگست ۲۰۱۲ء

میں... ریحانۃ العصر، حضرت مولانا

ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

کے جو اصلاحی، روحانی اور تربیتی بیانات ہوئے ہیں۔ انکی CDs دستیاب ہیں۔

نیز مدیر الفرقان، اور حضرت والا کے خلیفۂ مجاز، مفسر قرآن

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ العالی

کے مختلف بیانات، اور خطبات کی CDs بھی دستیاب ہیں

رابطہ کریں:

خانقاہ نعمانیہ: (دستی حاصل کرنے کے لئے)

نعمانی اکیڈمی: +91-7379914420